

عمران سیرینہ

جلد نمبر 37

بیباکوں کی تلاش

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنر

اگر یہ مار کیت، میں کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

بیشتر س

جو نک کی واپسی اور زہریلی تصویر کے بعد بیباکوں کی تلاش ملاحظہ فرمائیے۔ یہ اس سلسلہ کی آخری کتاب ہے۔
 جو نک کی واپسی مادام نشی کا کی مکمل کہانی تھی۔ زہریلی تصویر میں پروفیسر راشد کا قصہ تھا۔ بیباکوں کی تلاش میں صیحہ کی داستان اور انجمن کا طریقہ کار ملاحظہ فرمائیے!
 مجھے یقین ہے کہ صیحہ کا کردار پسند کیا جائے گا۔ وہ ایک ہلکی قسم کی اذیت پسندی کی شکار ہے۔ دوسروں کو جھلائیت میں بھٹک کر کے مسرور ہونا اس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔
 سنگ ہی بھی اس کہانی میں ذہنی جنگ کے ماہر کی خلیت میں نظر آئے گا۔ عمر ان اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی تاک میں تھے۔ اس لئے شروع سے آخر تک ذہنی جنگ ہوتی رہی ہے۔ ذہنی جنگ میں بہت زیادہ دھینگا مشتی یا لخاکیں میں مخاکیں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن میرا خیال ہے کہ زیادہ تر پڑھنے والے اسی دھوم دھڑک کے منتظر ہے ہوں گے کیونکہ یہ اس سلسلے میں آخری مقابلہ تھا۔
 کہانی ختم کرنے کے بعد آپ سوچیں گے کہ کئی معاملات کی وضاحت نہیں کی گئی۔ دیدہ و دانستہ ایسا ہوا ہے کہانی کی مکنیک اسی کی مقاضی تھی کہ کچھ سوالات کے جواب پڑھنے والے خود ہی مرتب کریں۔

اس نادل کے نام، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشر خالد سلطان
پرنسٹر پولی پرنس

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈر رز
الکریم مارکیٹ، میں کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔ فون: 7321970

اکثر پڑھنے والے بعض بہت پرانے اور غیر اہم کرداروں کی واپسی کے مطالبے کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے ”لاشوں کا آبشار“ والی کنوں کی واپسی کی فرمائش کی ہے۔

اس سلسلے میں کیا عرض کیا جائے۔ دیے اب اگر کنوں واپس بھی آئی تو آپ بور ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ اس کے پیچھے کم از کم سات عدد بچوں کی فوج بھی ہو گی۔ اب وہ اتنی زندہ دل اور کھلائدھری نہیں رہی۔ بچوں کو ہر وقت جھٹکے اور آنکھیں دکھاتے رہنے کی وجہ سے چہرے کی شادابی اور شوخی رخصت ہو چکی ہے۔ شوہر پر نظر کرتے رہنے کی بناء پر آواز میں زہر میلا پن پیدا ہو گیا ہے۔ کئی کئی دن لباس نہیں تبدیل کرتی..... زیادہ تر باور پھی خانے میں سر کھپاتی رہتی ہے۔ بھلا بتائیے کیا حال ہو گا آپ کی جمالیاتی حس کا جب اُسے برتن مانجھتے ذیکھیں گی اور اس وقت تو آپ آنکھیں ہی بند کر لیں گی جب وہ برتن مانجھ کنے کے بعد ہاتھوں کو تو لئے سے خشک کرنے کی بجائے قمیض کے پیچھے دامن پر پھیرتی نظر آئے گی۔

ایسی ہی بہتیری باتیں جن سے آپ کا ذوق نظر متروح ہو سکتا ہے۔ اس لئے خاص کردازوں کے علاوہ دوسرا کردار متعین ہی چلنے دیجئے۔ دیے انور اور رشیدہ کے سلسلے میں آپ کی خواہش ضروری پوری کی جائے گی۔ عرصہ سے سوچ رہا ہوں کہ انور اور رشیدہ کا بھی ایک خیم ناول پیش کیا جائے.... لیکن.... کب؟ دیکھئے کب موقع ملتا ہے۔

ابن سعید

ناک میں دم کر کھا تھا گھر بھر کا.... وہ ایسی ہی تھی۔ ایم اے کے پہلے سال میں پڑھتی تھی۔
فلسفہ لے رکھا تھا.... باپ آزاد خیال اور جدت پسند تھے اور ماں اول درجے کی قدامت پسند۔
نائب ڈالے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں اور شوہر پر خار کھاتی تھیں کہ بیٹی کو اتنی آزادی کیوں دے رکھی ہے۔ صیبحہ نے انہیں اتنا پریشان کیا تھا کہ قریب قریب مامتا کے جذبات ہی فنا ہو کر رہ گئے تھے اور اب وہ ان کے لئے ایک ایسی ہستی بن کر رہ گئی تھی جس کی صورت دیکھتے ہی غصہ آجانالازی تھا۔

باپ کبھی کسی مسئلے میں دخل نہیں دیتے تھے۔ کچھ بھی ہو رہا ہو ان کے کان پر جوں نہ ریگئی۔ صیبحہ کی شو خیوں پر صرف مسکرا کر رہ جاتے تھے۔ کبھی اُس سے کسی بات کی بازاں پر س نہیں کی تھی.... اگر وہ اپنے کسی بواۓ فریڈ کو بھی گھر پر بلا لیتی تو شاکد انہیں اعتراض نہ ہوتا۔ دیے صیبحہ نے کبھی ایسا کیا نہیں تھا.... تھا ہی نہیں کوئی بواۓ فریڈ۔ وہ تو محض اپنی ماں اور نانی کو جلانے کے لئے کسی سیلی کے بھائی کا تذکرہ لے پڑھتی.... وہ چھپتی چلا تین اور صیبحہ بڑی سنجیدگی سے کہتی.... میرے بس دوستی ہے ان سے کوئی میرے عاشق تھوڑا ہی ہیں۔“

ماں لفظ عاشق پر ہزاروں سلواتیں ساتھیں اور کھیتیں ”ارے کمخت یہ تو بازاری خور توں کے سے انداز میں کیوں باتیں کرنے لگتی ہے۔“

اس پر وہ بڑے فلسفیانہ انداز میں انہیں سمجھاتی کہ عاشق کو عاشق ہی کہیں گے.... ناشتہ داں نہیں.... دیے اگر ناشتہ داں کہنے سے مفہوم پورا ہو جائے تو وہ بخوبی لیلی کا عاشق تھا کہنے کی

بجائے مجتوں لیا کاتاشتہ دان تھا، بھی کہہ سکتی ہے۔

اسکی باقیوں پر انہیں اس زور سے غصہ آتا کہ ان کی زبان ہی بند ہو جاتی اور پھر نانی جو شروع کرتیں گاہی اور کوئے تو ہنسنے ہنسنے اس کے پیٹ میں مل پڑ جاتے۔ نئی نئی اصطلاحیں سننے میں آتیں.... وہ آدمی اردو اور آدمی پوربی میں ویسے بھی گفتگو کرتیں۔ غصے کی حالت میں پوربی اور اردو کچھ اس طرح گلڈمہ ہوتی کہ ایک تیسری زبان عالم وجود میں آجائی جسے شاید وہ خود بھی نہ سمجھ پاتیں۔

صیبھج دوسروں کو چڑانے میں ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتی تھی۔ جب کسی کو اپنی باقیوں پر جھنجلاہٹ میں بیٹلا دیکھتی تو اسے ایسا محسوس ہوتا چیز سارے جسم میں بلکل بالکل سرور انگلیزی گد گدی ہو رہی جو۔

جس دن اُسے کوئی ایسا موقع فضیب نہ ہوتا بمحضی بمحضی ہی رہتی۔ کسی کام میں دل ہی نہ لگتا۔ لوگوں کو جھنجلاہٹ میں بیٹلا کرنے کے لئے نئی حرکتیں کرتی۔ یہ سوچ سمجھے بغیر کہ ان کا انعام کہیں کسی حادثہ کی خلک میں نہ ظاہر ہو۔

آج تو اسی حرکت کر گزری تھی کہ جس کی بنا پر کسی بھی کنوواری لڑکی کی شامت بلا علم و اطلاع آسکتی تھی۔

اپنے فرضی عاشق کی طرف سے خود ہی ایک خط لکھاڑا لاتھا۔۔۔ کئی طرح کے انداز تحریر پر قادر تھی۔۔۔ لہذا مال کے دھوکا کھاجانے میں کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔۔۔ یہ خط ایسی بگرد رکھا گیا جہاں مال یا نانی کی نظر ضرور پڑے۔

اُس نے اپنے فرضی عاشق کی طرف سے لکھا تھا۔

”حد سے زیادہ پیاری صیبھج!

تم سے ملنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ تم تین دن سے یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہیں۔۔۔ متواتر تین راتوں سے جاگ رہا ہوں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا جس دن تم سے ملاقات نہیں ہوتی کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ تمہارے گر آتا گر تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ والدہ صاحبہ بڑی جلاد ہیں، لہذا ہمت نہیں پڑتی۔۔۔ ویسے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے بیٹگے کی کپماونٹ کی دیوار پھلانگ کر اندر چلا آؤں۔۔۔ بھی میں تو آج رات کو بھی کروں گا خواہ کچھ ہو۔ گیارہ بجے رات کو کپماونٹ ہی میں ملنا۔۔۔

تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ تمہارے یہاں کتے نہیں ہیں۔ پھر کیا ذرہ ہے کسی کا۔ کافیں کافی خبر نہ ہو گی۔ ویسے مجھے اس کا علم ہے کہ تمہارے پیارا دروے پر گئے ہوئے ہیں۔۔۔ فقط تمہارا آخر۔۔۔“

بہر حال خط مال کے ہاتھ لگا۔ پڑھ کر سنائے میں رہ گئیں۔ وہ چھپ کر انہیں دیکھ رہی تھی تھوڑی دیر تک وہ سر تھاے بیٹھی رہیں۔ پھر اپنی ماں کے پاس گئیں صدمہ بھی تھا اور غصہ بھی۔۔۔ دونوں میں کچھ کھسر پھسر ہوئی اور پھر صیبھج نے دونوں کے روئے کی آواز سنی۔۔۔ بڑی بی تو باقاعدہ میں کر رہی تھیں لیکن کیا کہہ رہی تھیں یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ البتہ اپنے منہ میں دوپہر ٹھوٹس ٹھوٹس کر بھی روئے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ چھوٹے بھائی بہن اسکوں گئے ہوئے تھے ورنہ پورا بیکھر ماتھ کدھ بن کر رہا جاتا۔ وہ خود آج بھی دونوں سے یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ موڑ نہیں تھا۔ ایک گھنٹے بعد دونوں خواتین کرے سے باہر آئی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں پر درم سا آگیا تھا۔ ناکیں سرخ ہو رہی تھیں۔ صیبھج نے دور سے دیکھا اور کنائی کاٹ کر دوسروی طرف نکل گئی۔ ذر تھا کہ سامنا ہونے پر اسے بھی نہ آجائے۔ وہ تو اس کی منتظر تھی کہ اب وہ دونوں اس پر گر جیں یہ سیں گی لیکن ایسا نہ ہوا۔۔۔ شام تک انہوں نے اس سے کوئی بات نہ کی بس قہر آکوں نظروں سے گھورتی رہیں۔۔۔ البتہ صیبھج نے محسوس کیا کہ تینوں ملازموں کو کچھ خاص قسم کی ہدایات دی جا رہی ہیں۔۔۔ وہ سمجھ گئی کہ دونوں خواتین کی یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ پھر بھی کے مارے اس کا براحال ہو گیا۔ شائد وہ دونوں اس کے خیالی دوست کو گھیرنے کی ایک بیزاری تھیں۔۔۔ اس نے سوچا مزہ آئے گا۔۔۔ تینوں ملازم میں گیارہ بجے رات تک پائیں باغ میں چھپے بیٹھے رہیں گے اور یہ دونوں بار بار برآمدے میں نکل کر دیکھیں گی کہ شکار پھنس گیا۔۔۔ نہیں۔

چھوٹے بھائی بہن اسکوں سے آئے تو گھر میں سنا تھا۔ ان بیچاروں کو بھی تشویش ہوئی ہو گی کہ آج یہ مچھلی بازار قبرستان کیوں بن گیا ہے ان میں سے شاید کسی نے ماں سے پوچھ بھی لیا تھا کہ بائی کہاں ہیں۔

بس پھر کیا تھا۔۔۔ شامت آگئی اس کی۔۔۔ چٹا چٹ کئی طما نچ پڑ گئے اس نے چلکھڑا نثار و روع کر دیا۔ پھر جو بھی دریافت حال نے لئے قریب آیا۔۔۔ دو چار ہاتھ اس نے بھی کھائے۔ کان بڑی

آواز نہیں سنائی دیتی تھی.... اور صبیحہ بڑے اطمینان سے اپنے کمرے میں لیٹی پڑھے ہوئے رسائل کے اشتہارات پڑھتی رہی۔

چھوٹا بھائی جس کی عمر بارہ سال تھی پتنگ بازی کے شوق میں بتلا ہونے کی بنا پر پشے سے پنج گیا تھا۔ وہ اسکول سے آتے ہی پتنگ اور چرخی سنپھال کر چھت پر جا پڑھاتا۔

بہر حال ہنگامہ فرد ہونے کے بعد اسے بھی فکر ہوتی تھی کہ آخر ان سکھوں کی پرانی کس بناء پر ہوتی تھی۔ مال بیانی سے تو پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ پشے والوں سے پوچھا لیکن وہ وجہ نہ بتا سکے۔ آخر صبیحہ سے ہی پوچھنا پڑا۔

”کجھ تھی ہے تمہاری....!“ صبیحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”کیوں باتی.... میں نہ کیا کیا ہے؟“

”اگر میرے بڑے بھائی ہوتے تو وہ یقیناً کیوں پشے۔“

”میں نہیں سمجھتا باتی۔“

”ارے.... میرے بڑے بھائی ہوتے تو انہیں ہی میری شادی کی فکر ہوتی.... پیا کو تو نہیں ہے.... میں کو اس کا بڑا قلق ہے.... کہہ رہی تھیں کہ اگر انور بڑا بھائی ہوتا تو اب تک بھی کی صبیحہ بیانی جا پکی ہوتی.... ان حضرت کو تو فکر ہی نہیں ہے کسی بات کی۔“

”لیکن.... ملوپا اور گڈو کیوں پٹ گئے؟“

”وہ تیوں کہہ پیٹھے تھے کہ ہم جا رہے ہیں باتی کے لئے دلہاذ ہونے۔“

”واقعی....؟“ صبیحہ نے تیر آمیز سنجیدگی سے پوچھا۔

”یہ سر....!“

”اچھا تو جاؤ.... شباباں....!“

اس نے سوچا اب براہ راست ہنگامے کے امکانات ہیں.... وہ بھی پچکے سے اٹھ کر بھائی کے پیچھے چلی آئی۔ بیہاں بھائی مال سے کہہ رہا تھا۔

”آپ خواہ نکواہ پریشان ہوتی ہیں میں.... پیا کو فکر نہ ہو مجھے تو ہے۔“

”کاہے کی فکر....!“ وہ جھلا کر پڑیں۔

”باتی کی فکر.... میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔ چودھری اللہ رکھد۔ مویش خانے کے غشی ہیں۔“

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتیں.... صبیحہ نے چک کر پوچھا۔ ”اچھا بڑی بڑی موچھیں ہیں یا نہیں.... شلوار پہننے ہیں کہ تمہرے....!“

”شہر تو جا... حرافہ....!“ دفعتاں بی جو تی اتار نے کیلئے بھکیں.... اور وہاں چھل کر بھاگی۔ اب تانی اور مال دنوں اس کے پیچھے دوڑ پڑی تھیں۔ وہ کہ کڑے لگاتی ہوئی برآمدے سے گزر کر پائیں باغ میں چلی آئی اور وہ دنوں برآمدے ہی میں کھڑی ہاتھی رہ گئیں۔

پھر آگئی شامت اس بھائی کی جسے بہن کی فکر تھی۔ مال نے اسے دنوں ہاتھوں سے پینٹا شروع کر دیا تھا.... اور صبیحہ لان پر اونڈھی پڑی ہوئی بے تحاش نہ رہی تھی۔

پھر رات تک ہنگامہ ہی رہا تھا اور تیوں ملازم میں پائیں باغ کے کسی گوشے میں چھپے بیٹھے تھے مال اور تانی بار بیرونی برآمدے تک جاتیں اور پھر واپس آ جاتیں۔

صبیحہ بھی کبھی انکی لا علی میں ادھر اور ادھر جھانک آتی۔ پھر ساڑھے دس پچھے وہ بھی خود کو بے چین ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ ان دنوں کی دانست میں بھی کوئی بار بیرونی برآمدے تک گئی اور پھر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ مال اور تانی اسے تھر آکوڈ نظر وہ سے گھور رہی تھیں۔ پھر گیارہ نجع گئے.... اور ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور اس کی مال سے بولا۔ ”نیکم صاحب وہ باہر فٹ پا تھوڑا کھڑا ہوا ہے.... دیوار پر چڑھے تو پکڑ لیں۔“

صبیحہ براہ راست کمرے سے کن رہی تھی۔ ہنس روکنے کیلئے اسے منہ میں دو پڑھوٹوں پڑا۔

نوك کو بر گوشیوں میں کچھ ہدایات ملیں اور پھر وہ واپس چلا گیا۔ صبیحہ نے سوچا کہ اب اسے بھی بیرونی برآمدے کی طرف جانے کے لئے پیتابی ظاہر کرنی چاہئے۔

وہ دبے پاؤں چوروں کی طرح راہداری کی طرف بڑھی.... لیکن مال اور تانی صدر دروازے کے درمیان حائل نظر آئیں۔

وہ اس طرح ٹھٹھک گئی جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔

”کہاں چلیں....!“ مال نے ہاتھ پھا کر زہر میلے لجھ میں پوچھا۔

”وہ.... ارے.... مم.... مطلب یہ کہ.... دل الجھ رہا ہے.... ذرا اٹھلوں گی۔“ اس نے رک رک کر کاپنے ہوئے کہا۔ بوکھاہٹ کی بڑی شاندار ایکنگ کر رہی تھی۔

”بند کر دیا ہے.... اس تو میں!“
 ”کے بند کر دیا ہے۔“ صیحہ بھی جھنگھلائی۔
 نوکرنے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا لیکن وہ کچھ کہے بغیر اس تو روم کی طرف بھٹی چل گئی۔
 اس تو روم کیا اچھا خاصہ رہائش کا کرہ تھا جس میں فالتو کاٹھ کپڑا اور مودی خانے کا سامان بھرا رہتا
 تھا.... صیحہ بھی ان کے پیچھے ہی پیچھے پلی آئی۔
 کھڑکی کی دوسری طرف ایک صحت مند اور وجہہ جوان سلاخیں تھاے کھڑکا حقانہ انداز
 میں پلکیں چپکا رہا تھا۔
 اُس کی ظاہری آن بان دیکھ کر بیگم صاحبہ بھی پل بھر کے لئے ٹھٹھکیں پھر خود کو سنبھال کر
 سخت لبھے میں بولیں۔ ”یہ کیا حرکت تھی۔“
 ”میں بھی میں بھی نہیں کبھی سما محترمہ!“
 صیحہ ان کے پیچھے کھڑی و حشت زدہ نظروں سے اُس آدمی کو گھوڑے جاری تھی جو کافی
 وجہہ ہونے کے باوجود بھی پر لے درجے کا حق معلوم ہوتا تھا۔
 ”تمہارا نام اختر ہے۔“ بیگم صاحبہ اس کی نرم گفتاری پر شیر ہوتی ہوئی دھڑیں۔
 ”چلنے اختر ہی سمجھ لجھے کیا فرق پڑتا ہے۔“
 ”تم ہماری کپاؤٹنیں کیوں لگے تھے۔“
 ”میں نہیں تو میں تو گھسیرا اگیا ہوں زبردستی کپاؤٹنیں۔“
 ”لیکن کوواس ہے۔“
 ”جی ان سے پوچھ لجھے جنہوں نے سر پر چادر ڈال کر مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔“
 ”کیوں؟“ بیگم صاحبہ نوکروں کی طرف مڑیں۔
 ”جی گھے نہیں تھے تو گھس ہی آتے۔ بڑی دیرے سے چاٹک کے سامنے فٹ پاتھ پر کھڑے تھے۔“
 صیحہ کا دل اور شدت سے دھڑکنے لگا دہ سوچ رہی تھی کہیں پولیس کیس نہ بن جائے۔
 ساری شرارت دھری رہ جائے گی۔ اب کیا ہو گا.... اب کیا ہو گا۔
 ”بہر حال تم اختر ہو۔“
 ”جی ہاں میں اختر ہوں۔“

”چل میٹھے!“ وہ ہاتھ جھٹک کر بولیں۔ ”ورنہ آج کھال ہی گراووں گی۔ پھر دیکھوں گی
 باہجان میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔ شہبہ دے دے کر سانٹہ بنا دیا ہے چھپوندر کو۔“
 ”لینکوٹچ پلیز می!“ اُس نے کسی قدر نہ امان کر کھا۔
 ”خہر تو لینکوٹچ پلیز کی بیگی۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر اس کی طرف پلکیں ... پھر وہ جو وہاں
 سے بھاگی تو اپنے کمرے ہی میں آکر دم لیا۔ دروازہ مقفل کر کے بستہ پر لوٹنے لگی۔ بھی کے
 مارے سانس نہیں ساری تھی۔ پیٹ دبادبا کر بھنسی رہی۔
 ادھر بیگم صاحبہ کچھ دور تدوڑی تھیں پھر بیڑ دنی برآمدے کی طرف پلٹ گئی تھیں۔
 صیحہ سوچتی اور بھنسی رہی کیا چھکلایا۔ اب بارہ بیجے تک کے لئے فرصت ہوئی اور وہ
 سمجھت امیرا نہ جانے کس پیچارے کو تاک بیٹھا ہے انتظار ہو رہا ہے کہ دیوار پھانڈے اور وہ
 اُسے دھر لیں پیلا اگر موجود ہوتے تو یہ شرارت کامیاب نہ ہو سکتی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے
 کہ وہ کئی طرح کے طرز تحریر پر قادر ہے وہ خود ہی انہیں اپنے کمالات دکھا پچلی تھی۔ اگر پیلا کے
 سامنے یہ خط پیش بھی کیا گیا تو وہ اس قسم کی دوسری تحریر اُن کے سامنے ہی گھسیت کر رکھ دے گی۔
 ”تھوڑی دیر تک وہیں لیٹی رہی پھر دروازہ کھوں کر جھاناکا ہی تھا کہ یک بیک شور سنائی دیا۔
 ”پکڑ لیا بیگم صاحبہ!“ دوڑوں نے بیک وقت ہاتک لگائی تھی۔
 ”کھالا ہے؟ کھالا ہے۔“ بیگم صاحبہ نے بے ساختہ پوچھا۔
 ”امیرا نے سر پر چادر ڈال کر گھسیت لیا تھا۔ گرا جو چاروں شانے چت تو ہم لوگ چھاپ
 بیٹھے۔ کھوپڑی پر چادر باندھ کر گردن میں گردہ لگادی۔ یہ بھی نہ دیکھ سکا ہو گا کہ کس نے چادر ڈال
 اور کس نے گھسیت مارا۔“
 ”پھر کیا کیا۔“
 ”بند کر دیا ہے سالے کو“
 صیحہ نے سا اور حواس باختہ ہو گئی۔ پہنچنے کے پکڑ لیا کم بھتوں نے وہ بھی بوکھلا کر
 دوڑ پڑی۔
 ”کیا بات ہے کیا ہوا؟“ اُس نے پوچھا۔
 ”ابھی نہ تاتی ہوں؟“ مان نے دانت بیس کر کھا۔ پھر نوکر سے پوچھا۔ ”کھالا ہے۔“

"تم لوگ جاؤ یہاں سے۔" وہ ملینے موں کی طرف مزکر بولیں۔

ملازم چلے بھی گئے لیکن صبیحہ دیں کھڑی رہی۔ بیگم صاحبہ کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جسے چھپی تھیں۔ لیکن صبیحہ پھر کھڑی ہو کر اس مخبوط الحواس نوجوان کو گھورے جا رہی تھی۔

تھا جیسے انہیں وہاں صبیحہ کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

بیگم صاحبہ مقید نوجوان کو چند لمحے قہر آکوں توکھوں سے گھورتی رہیں پھر ڈپٹ کر پوچھا۔ "تمی تو ان سے بھی زیادہ تیر ہیں۔"

"تم کون ہو؟"

"آخر... آخر علی صدیق۔"

"یہاں کیوں آئے تھے؟"

"میری یہاں خود نہیں آیا... لایا گیا ہوں... کسی نے پیچھے سے سر پر چادر ڈال کر گھیٹ لیا۔"

"ہمارے پھانک کے سامنے کیوں کھڑے رہتے۔"

"اپنے دوست چودھری عبدالatif کا بلگہ تلاش کر رہا تھا... دوپہر سے یہ وقت آگیا... خادل آباد میں اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔"

"تو تم پر دلی ہو۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں اسکا پاس کوئی عبدالatif نہیں رہتا۔" صبیحہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ پھر

چونکہ کر بولی۔ "تم نے خواہ خواہ یہ کیوں کہا کہ مجھے خطوط لکھتے رہے ہو؟"

"نہیں تو...!" نوجوان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو نہیں

کہا... انہوں نے پوچھا تھا کہ تم صبیحہ کو خطوط لکھتے رہتے ہو... میں نے کہا جی ہاں۔"

"یہ کیوں کہہ دیا؟"

"میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں کہتی ہیں جھوٹ کے منہ سے بروز قیامت بدبو آئے گی۔"

"میں صبیحہ ہوں.... سمجھے۔" وہ جھخٹلا کر بولی۔

"اوه... اسے دلو...!" نوجوان نے بے تحاشہ پنسنا شروع کر دیا۔ بدقت تمام ہنسی رکی تو بولا۔

لاحوال ولاقوتا۔ میری کڑاں کا نام بھی تو صبیحہ ہی ہے... میں اسے خطوط لکھتا رہتا ہوں۔"

"تم واقعی، تحقیق معلوم ہوتے ہو۔ بالکل گھاٹر... اب جیل چلے جاؤ گے.... دیکھ لیں۔"

سبیحہ کو اس پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔

"نج... جی ہاں...!" اُس نے احتفانہ سعادت مندی کے اظہار میں سر کو جنبش دی۔

صبیحہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیوں لکھتے ہو۔" بیگم صاحبہ دانت پیس کر بولیں۔

"بس جی چاہتا ہے۔"

"جب چاہتا ہے کے پچھے... میں تمہیں جیل میں سڑادوں گی۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔"

"میں تم پر چوری کا بھی الزام رکاؤں گی۔"

"آپ اپنے ہاتھ سے میرا گلاد باد بیجئے گا۔ مگر میں تو توکھوں کا خطوط۔"

"چپ رہو... کینتے... ذلیل...!"

"جب اچھا...!" احتفانہ نے پھر سعادت مندی کا اظہار کیا۔

صبیحہ کا سر چکرانے لگا۔ شی گم ہو گئی جس اختری طرف سے اس نے خود کو خط لکھا تھا اس کا

سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ لیکن یہ آدمی؟

کون ہے یہ؟ کیوں اتنا بڑا الزام اپنے سر لے رہا ہے؟ اس کی بھی پرواہ نہیں کہ اسے پولیس

کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہکہ یہکہ بھی کڑا کر کے آگے بڑھی اور بولی۔ "تم کون ہو؟ میں

تمہیں نہیں جانتی... تم نے کبھی مجھے خطوط نہیں لکھے۔"

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا بیگم صاحبہ کا اللہا تھے صبیحہ کے منہ پر پڑا اور وہ لا کھڑا تھی ہوئی پچھے

ہٹ گئی اس کے بعد تو اسے پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ دونوں ہاتھ بیگم صاحبہ کے تھے یا کسی مشین کے

ذریعہ چلنے والے ہتھوڑے کے... جو ترا ترا اس پر دوار کے جا رہے تھے۔ نانی پاس ہی کھڑی گالیوں

اور کو سنوں کے ڈنگرے بر ساتی رہیں... بیگم صاحبہ جب اسے اچھی طرح پیٹ پھیں تو نہ

پڑے گا۔.... اُدھر کے دروازے کی بھی چھٹی چڑھادی ہے۔.... ہاں۔“

نانی کو شاید اس انداز گنگوکی توقع نہیں تھی اس لئے ان کا مہم حیرت کے مارے کھلا ہی رہ گیا۔ نوکروں نے بھی خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے پچھہ نہ کہہ سکے کیونکہ نوجوان ظاہری رکھ رکھا سے نہ تو پچھلے طبق کا آدمی معلوم ہوتا تھا اور نہ کوئی لفڑا لہذا انہیں تو محاط رہنا ہی تھا۔

”نانی ماں.... آخر کیوں؟.... یہ کون ہیں.... کیوں پکڑا گیا ہے انہیں۔“ صبیحہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”چل بیہاں سے.... چل نہیں تو سب کے سامنے جو تیاں لگاؤں گی۔“ نانی نے آگے بڑھ کر اسے دھکیلنا شروع کیا۔ وہ معترض رہ تھیں لیکن صبیحہ جیسی دس پر بھاری رہتیں۔ بڑی اچھی صحت تھی۔.... بیٹی کی بڑی بہن ہی معلوم ہوتی تھیں۔

اُسے اُس کے کمرے تک دھکیل لائیں۔ بیگم صاحبہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر ساتھ ہوئی تھیں۔ لیکن اس طرح چل رہی تھیں جیسے خواب میں چل رہی ہوں۔

صبیحہ نے سوچا کہ اگر ان لوگوں نے اُسے بھی اس کے کمرے میں بند کر دیا تو پتہ نہیں اُس اجنبی کی کیا درگست بنا سکیں۔ آزاد رہ کر وہ کم از کم ان کی کسی اسکیم میں رخنے توڑاں ہی سکتی تھیں۔.... درستہ ہو سکتا ہے ان کا کوئی غلط فیصلہ کسی نئی مصیبت کا پیش خیر بن جاتا۔ دفعتاً ایک تدیر سوچنے کی نہ اس کے نتالی بھی بتاہ کن ہو سکتے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ تھانے پو لیں کی نوبت آجائی۔

بہر حال اُس نے نانی کے شانے پکڑے اور انہیں جھنجھوڑ کر بولی۔ ”ان کی طرفداری ہو رہی ہے جو ابھی کل ہی بڑی بڑی تھیں کہ چھاتی پر سوار ہیں بیٹوں کے بیہاں نہیں جاتیں۔“

بڑی بیلی لیکھت چوٹک پڑیں۔ لپٹ کر بیٹی کی طرف دیکھا جو حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ ”کہتی ہی رہتی ہیں۔“ صبیحہ ترستے ذوبارہ بولی۔ ”جہاں تاکی بہو کے پچھے ہونے والے ہے۔۔۔ کے بل وہڑی چلی جاتی ہیں چاہے میں مر ہی کیوں نہ رہی ہوں۔“

”اوے ناشد نی کیوں....؟“ بیگم صاحبہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکیں کیونکہ بڑی بیلی پیچنے لگ تھیں۔ ”بس بس.... وہ جھوٹی نہیں ہے اور چاہے جیسی ہو.... کیا میں تجھے نہیں جانتی ہوں۔ ساری خصلتیں پھو بھیوں کی پائی ہیں تو نے۔“

”تب تو واقعی بہت نہ اہوں۔“ نوجوان نہ اسماںہ بنا کر بولا۔ ”وپھر سے اُب تک بھوکا ہوں ٹرین پر جیب کٹ گئی.... تکٹ بھی پرس میں تھا۔ تکٹ تکٹ نے رشت ناگی تھی۔ کہاں سے دیتا۔ آخر اُس نے سامان رکھوالیا اور کہنے لگا جاؤ اپنے دوست چودھری عبدالطیف سے پیے لے کر آؤ تب سامان دوں گا۔“

”اوہ.... تو کیا تمہیں صحیح پتہ نہیں معلوم اپنے دوست کا۔“

”ایک بار پہلے بھی آپکا ہوں اس لئے سستی کا نام یاد رکھنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی اور اُب تو ہر ایک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کوئی۔ بھوک کے مارے دم نکل رہا ہے۔“

”میں کیا کروں.... یہاں قفل لگادیا گیا ہے.... اور چابی گمی کے پاس ہے۔“

”اور ڈڑھی کہاں ہیں۔“ نوجوان نے خوفزدہ لمحے میں پوچھا۔

”ڈیڑھی ہوتے تو اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟“ صبیحہ مضطرباً نہ اندز میں بڑھ رہی۔

”آپ کیا کرنا چاہتی ہیں۔“

”آپ ایک غلط فہمی کی بناء پر اس طرح پکڑے گئے ہیں۔ لیکن ممی یقین نہیں کریں گی۔“

”کس بات پر یقین نہیں کریں گی۔“

”یہی کہ آپ وہ اختر نہیں ہیں.... اور پھر آپ کی کوئی کزن صبیحہ بھی ہے۔“

”بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔ اچھی بات ہے آپ مجھے نہیں بذریعہ دیجئے۔ لیکن کچھ کھلڑے تو دیجئے۔۔۔ ورنہ اب میں بھوک کے مارے بیوشاں ہو جاؤں گا۔“

”دفعتاً پشت سے نانی کی آواز آئی۔“ اے لو۔۔۔ یہ حرافہ تو کھڑی اس سے باتمیں کر رہی ہے۔

کیا فائدہ ہوں۔“

پھر انہوں نے تیوں نوکروں کو آوازیں دیں جو دوسرے ہی لمحے میں وہاں پہنچ گئے۔

نانی انہیں لیکر آگے بڑھیں اور صبیحہ کو پیچھے دھکلیتی ہوئی بولیں۔ ”مارو صورت حرام کو۔“

”مار پکے صورت حرام کو۔“ اجنبی نوجوان نے چڑانے کے سے انداز میں کہا۔ ”میں اتنا اڑا۔۔۔ نہیں ہوں۔۔۔ اندر سے دروازے کی چھٹی چڑھادی ہے۔۔۔ مارنے سے پہلے انہیں دروازہ تو۔۔۔“

”ماں قسم لے لجھے... وہ ناشد فی....!“

”بند کر زیان...!“ بڑی بی دہائیں اور بیگم صاحبہ جلدی جلدی بہاں سے چلی ہی گئیں۔

صیحہ نے ان کے قدموں کی دوڑ ہوئی ہوئی چاپ سن کر ہی دروازہ کھولا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے اب شاید کام بن جائے سوچ ہی رہی تھی کہ بیرون کے قریب کنجی گرنے سے کھانا کا ہوا اور نافی کی آواز نشانے میں گونجی۔ ”لے نکال جا کر اس خدا کو۔“

اور پھر وہ بھی رہائی کروں کی طرف چلی گئی۔ صیحہ نے کنجی اٹھا کر مٹھی میں دبای اور کچھ دیر وہیں کھڑی خیالات میں کھوئی رہی۔ پھر اسٹور روم کی طرف روانہ ہو گئی۔ اجنبی نوجوان کھڑکی کی سلا جھیں پکڑے کھڑا تھا اور تیوں طازم اُسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی بجوبہ ہو۔

”تم لوگ جاؤ بہاں سے۔“ صیحہ نے غصیلے لجھے میں کہا۔

”نہیں.... رہنے دیجئے۔“ اجنبی سلانوں کی دوسرا طرف سے بولا۔ ”یکھنے دیجئے.... ایسا لگتا ہے جیسے نمکت لے کر دیکھنے آئے ہوں۔“

”نا نہیں تم لوگوں نے۔“ صیحہ نے دوبارہ انہیں نکارا اور وہ چپ چاپ ہٹک گئے پھر وہ اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”میں کنجی لائی ہوں۔“

”اوہ.... تواب آپ مجھے نکال باہر کریں گی۔“ اجنبی نے خوفزدہ لجھے میں پوچھا۔

”ہاں.... کیوں....؟“

”مقدار ہی خراب ہے اپنا۔“ اجنبی نے مھٹدی سانس لے کر کہا۔ ”اس طرح پکٹنے جانے پر بے حد خوش تھا کہ چلو رات بسر کرنے کی جگہ تو نصیب ہی ہو گئی.... شاید کچھ روکھی سوکھی کھانے کو بھی مل جائے۔“

”میں کھانا کھلاؤں گی آپ کو.... لیکن اگر آپ رات بھر بہاں بند رہ گئے تو پھر آپ کو اس وقت تک بہاں بند رہنا پڑے گا جب تک کہ ذیلی نہ آجائیں۔“

”کیوں آخر؟ اس کی وجہ....؟“

”میں نے کسی فرضی اختیکی طرف سے اپنے نام ایک عشقی خط لکھا تھا می کو جلانے کے لئے وہ پرانے خیالات کی ہیں۔ پایا الٹرا موڈرن ہیں.... انہوں نے مجھے آزادی دے رکھی ہے۔ می اس پر کڑھتی ہیں لہذا میں انہیں اور زیادہ جلبایا کرتی ہوں۔ بہر حال میں نے اس خط میں لکھ دیا تھا۔“

”اور نوکروں کے سامنے بڑا تھا ہیں۔“ صیحہ نے کلڑا گلایا۔

بیگم صاحبہ آپ سے باہر ہو گئیں۔ گھونسہ تان ترن جھیٹیں لیکن بڑی بی ان کے درمیان آتی ہوئی زہر یلے لجھے میں بولیں۔ ”جھوٹ کہہ رہی ہے تو چانس پاہنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”اُرے اماں یہ کہیں... کہیں...!“

”بس... بس... خبردار... جو اُسے کچھ کہا۔ لعنت ہے تھے پر اور تیرے گھر پر اُب جو کبھی قدم رکھوں۔“

”اُرے اماں... سنو تو سکی۔“

لیکن بڑی بی ان کی بھی سنتے کی بجائے چھٹی پنگھاڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور صیحہ نے اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ اچھی طرف جاتی تھی کہ اب پوری رات کسی نہ کسی قسم کے ہنگامے ہی کی نذر ہو گی۔

”نکل کم بخت.... نکل باہر.... آج زندہ نہیں چھوڑوں گی.... دیکھتی ہوں کوئی میرا کیا لگاڑ لے گا۔.... باہر جان آکر تیرتی لاش ہیاد کیجھیں گے....“ وہ دروازہ پینٹے لگیں۔

”اُس سے پہلے ہی بہاں پولیس پہنچ جائے گی۔“ صیحہ نے اندر سے کہا۔ ”آپ نے خواہ نخواہ کسی شریف آدمی کو پکڑا کر بند کر دیا ہے۔“

”آب تو وہ حرام زادہ بند ہی رہے گا تاکہ وہ بھی آکر بیٹی کے کرتوت دیکھ لیں جنہوں نے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔“

”میرے کیئے کرتوت....؟“

”اُس میں تو نہیں جیت سکے گی۔ اُس مردود کا خط میرے پاس موجود ہے۔ جیل بھجواؤں گی۔“

”کیا اُس نے آپ کو کوئی خط لکھا ہے۔“

”چپ حرام زادی.... حرانہ۔“ وہ طلق چھاڑ کر دہائیں اور انہیں کھانی آئے گل۔ اتنے میں پشت سے بڑی بی کی آواز آئی۔ ”کیوں پہنچے پڑی ہے اُس کے.... میں کل ہی بہاں سے منہ کالا کر جاؤں گی۔“

”اُرے اماں.... یہ جھوٹی ہے۔“ بیگم صاحبہ کھانستی ہوئی بولیں۔ وہ روہانی بھی ہو گئی تھیں۔

”چلو جھوٹی ہی سکی۔ کیجھ نہ کھاؤ اس کا...“ تم بڑی صاف دل اور نیک طینت ہو۔

کہ وہ اپنی آخرت آج رات گیارہ بجے کپڑا نڈال پھلانگ کر پائیں باغ میں داخل ہو گا۔۔۔ مقصد یہ تھا کہ گلدارہ بارہ بجے تک گھر میں چل پہل رہے۔ خط می کے ہاتھ لگا کیونکہ اُسے گلنا ہی تھا۔ اُپنی اُسے تحریر آمیز نظروں سے گھورتا رہا تھا۔ وہ مسکرانی اور سلبہ گفتگو جاری رکھا۔ ”اس طرح آپ آپنے۔ اب وہ پایا کو میرے کرتوت دکھانے کے لئے آپ کو ان کی واپسی تک قید رکھنا چاہتی ہیں۔“

”میں نہایت خوشی سے قید رہوں گا۔“ نوجوان نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”کیا آپ کی اوپری منزل بالکل خالی ہے؟“ صبح نے بُرا سامنہ بنانے کے لئے آپ کو پوچھا۔ ”بائے پھر وہی سوال....؟“ اُپنی روہاں اہو کر بڑا بڑا۔ ”کیا مطلب....؟“

”چھپلی پار....! اسی سوال کی بجائے پر اتنے دیویں میں رہ گیا ورنہ نوکری ضرور مل جاتی۔“ ”میں نہیں سمجھی۔“

”بل! اسی سوال کا جواب نہیں دے سکا تھا لہذا ملامات نہیں تھی۔“ ”یہ سوال کیا تھا کسی نے آپ سے؟“ صبح نے تحریر آمیز شوخی کے ساتھ پوچھا۔ اُپنی نے بے کسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”تو آپ جواب نہیں دے سکتے تھے؟“ ”سوال ہی سمجھی میں نہیں آیا تھا۔“

”سوال کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی کھوپڑی عقل سے خالی ہے۔“ ”یہ پوچھا تھا اُس مردوں نے۔“ اُپنی کی آواز عنصیل تھی۔ ”اور میں نے بھی یہی پوچھا ہے۔“ صبح آنکھیں بند کر کے مسکرانی۔ ”میں تھپٹ ماردوں گا.... سمجھیں۔“ اس نے سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکالنے کی کوشش کی۔

”شش آپ....!“ ”اب تو چاہے بھوکا مرنا پڑے میں تمھیں ماروں گا ضرور۔“ ”بلااؤ نوکروں کو۔“

”ارے جاؤ.... بہت دیکھے ہیں.... دھو کے سے کپڑا لیا۔ ورنہ مار کر تینوں کی چینی بنا دیتا۔“ ”نفخ ہونے کی ضرورت نہیں بدھو میا۔“ ”کیا کہا ابدھو میا۔۔۔ میرا نام اختر پرویز ہے۔“ ”آخر پرویز صاحب براہ کرم کچھ دیر کے لئے بکواس بند کجھے۔۔۔ باہر تشریف لائیے۔۔۔ شاید میں آپ کے لئے کچھ مہیا کر سکوں؟ چند سلاں یمنیں اور تھوڑے سے پارچے۔۔۔ اتفاق سے ہمارے یہاں سب ہی پیٹھیں اس لئے کچھ پختے پچانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ اکثر ملازموں کو تھوڑی روٹیوں کے ساتھ لہسن کی چینی کھانی پڑتی ہے۔“ ”میں تو باہر نہیں آؤں گا.... ہرگز نہیں۔۔۔ مجھے نیند بھی آرہی ہے۔ اس شہر میں اُپنی ہوں.... نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ کیا نام ہے شہر کا عادل آپ اور کوئی بھی انصاف پسند نہیں۔“ ”کیا مطلب.... کیا انصاف چاہتے ہیں آپ۔“ ”یہی کہ زبردستی پکڑ دیا ہے تو اپ دوچار دن تو قیام کرنے دیجئے۔“ ”میرے پاپا پیٹھیں گلکھتیں ہیں.... کھال کچھواليں گے۔“ ”اب بھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ بہت آزاد خیال ہیں۔“ ”اب اتنے بھی نہیں کہ میرے کسی عاشق کو بردداشت کر لیں۔“ ”میں زبردستی تو عاشق ہوا نہیں آپ ہی لوگوں نے کپڑا دیا ہے۔ پہت بھر رونی ملے تو شاید عاشق بھی ہو جاؤں۔“ ”اے بکواس بند کرو مسٹر.... میں بد تیزی پسند نہیں کرتی۔“ ”اگر عاشقی بد تیزی ہوتی تو نصابی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ملتا۔ میر اور غالب بد تیز کہلاتے۔“ ”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ ”پاساں عقل نے اس وقت دل کو تھاچھوڑ دیا ہے۔“ ”چیز کہہ رہی ہوں نوکروں کو بلا کر مرمت کر دوں گی۔“ ”ضرور بیاؤ.... لیکن ان کی ثوٹ پھوٹ کی ذمہ داری بھی تم ہی پر ہو گی۔“ ”صبح نے آگے بڑھ کر قفل میں کنجی لگائی۔۔۔ دروازہ کھل گیا اور وہ غصیلے لمحے میں بولی۔ ”کلو...“

جانے کے لئے بے تاب ہو۔
یہ دونوں ایک ہفتے سے عادل آباد میں مقیم تھے۔ ساجدہ جبیب کی شکل کسی قدر بدی ہوئی تھی۔
آسانی سے نہیں پہچانی جاسکتی تھی۔ اول تو اس نے اپنے بالوں کا اسٹائل بدل دیا تھا اور پھر پلاسٹک
میک اپ کی مدد سے چہرے میں بھی کچھ تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ صدر میک اپ میں نہیں تھا۔
قیام ہوا تھا عادل آباد کے سب سے بڑے ہوٹل روڈ الونین... ان کے کروں کے سامنے
بوزف پہنہ دیا کرتا تھا۔

وہ یہاں ایکس ٹو کے حکم سے مقیم تھا۔ ساجدہ جبیب کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ وہ بھی
آن کے ساتھ ہو گئی صدر نے اُس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تنجیج میں جواب
ملا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھا جائے۔ پھر صدر نے خود ساجدہ جبیب سے بھی پوچھتے کی ہوتے
نہیں کی تھی کہ وہ کون ہے اور اُن کے درمیان اُس کی موجودگی کا کیا مقصود ہو سکتا ہے۔
البتہ اُسے یہ ضرور معلوم تھا کہ عمران یہاں کچھ کرنا پھر رہا تھا اور اُسے براور است اُسی کے
احکامات کا پابند رہتا ہے۔ ساجدہ اُسے عمران کے متعلق بور کرنی رہتی۔ وہ کہاں ہے؟ کب آئے
گے؟ اُس سے ملاقات کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

وہ سیکرٹ سروس والوں کے چارچین میں عمران ہی کے تسلط سے پہنچی تھی... اور عمران اُسی
کے سلسلے میں اٹھیں۔ وہ سر میں ممتاز کرتی رہتی تھی۔

”کیا عمران ہی کا پیغام ہے؟“ اُس نے صدر سے پوچھا۔

”نہیں...!“ صدر نے جواب دیا۔ حالانکہ وہ عمران ہی کا پیغام تھا اُس نے اُسے مطلع کیا تھا
کہ حیرت انگیز طور پر اسے ٹھیک اُسی کو تھی کے سامنے والی عمارت میں رہنے کی جگہ مل گئی ہے
جس کی عمران کا حکم ایکس ٹو سے ملا تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں...؟“ ساجدہ نے پوچھا۔
”کس سلسلے میں۔“

”میں کہب تک اس طرح زندگی بسر کرتی رہوں گی۔“

”میں جب پوری طرح تمہارے حالات سے باخبر ہی نہیں تو کیا جواب دے سکوں گا اس
سوال کا۔“

”سارے شہر میں تم سے اپنے عشق کا اعلان کرتا پھر دوں گا۔“ اُجھی نے دھمکی دی۔

”تجھے دھمکی دے رہے ہو؟“ صبیحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”مرتا کیا نہ کرتا مجھے رات بتر کرنے کے لئے جگہ اور پیٹ بھرنے کے لئے روٹی چاہئے۔“

”اچھا بایا... بور مت کرو... پھاٹک کی بائیں جا بیں مالی کی کوٹھری خالی ہے جا کر دبک
ر ہو...، میں روٹی بھی پہنچاؤں گی۔ پیچھا چھوڑو کسی طرح...!“

”ہاں... یہ ٹھیک ہے...!“ اُجھی سر بلکہ بولے۔

صبیحہ نے چپ چاپ اُسے اسٹور روم سے نکال کر پائیں باغ میں پہنچا دیا۔ وہ مستقل طور پر
اُسی کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ صورت سے احق ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن کسی اچھے ہی
خاندان کا تعلیم یافتہ فرد ہے۔ پیچاڑے کا سامان ریلوے اسٹیشن پر پڑا ہوا ہے۔ اُسے اُس سے پوچھنا
چاہئے کہ ٹکٹکٹکٹر کا مطالبہ کیا ہے اُسے اُس کی مدد کرنی چاہئے۔ خواہ گواہ پیچاڑہ اُس کی ایک
شرارت کا شکار ہو گیا۔ شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو پہنچیں کیا طوفان برپا کرتا۔
وہ سوچتی اور اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتی رہی۔ بیگم صاحبہ اور بڑی بی اپنے
اپنے کروں میں بند ہو کر سوگئی تھیں اس لئے عمارت میں نشانا تھا۔

وہ بہت احتیاط سے مالی کی کوٹھری کی طرف چل پڑی۔ سوچ رہی تھی کہ وہ پھر کچھ کہے گا
لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آخر وہ بیان سے چل ہی آئی یہ اور بات ہے کہ مستقل طور پر اُسی کے متعلق
سوچے جا رہی ہو۔

شرارت کر بیٹھی تھی۔ لیکن حقیقتاً تی دلیر بھی نہیں تھی کہ انجام کی پرداہنہ ہوتی۔ اُس سے
کہیں زیادہ فکر تھی مال اور نالی کے درمیان گھوڑے کی.... جو خاندانی زندگی کیلئے پریقان کن
ہوتا۔ اب اس وقت پوری عمارت میں نشانا تھا اور وہ بستر پر لیٹی بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔

صدر ٹرانسیٹر پر آئے ہوئے پیغام کو جو کڈوڑو زمین ٹھال لفظ بلطف درج کرتا رہا تھا اور اب
اُسے اردو میں لکھ رہا تھا۔

قریب ہی ساجدہ جبیب بیٹھی اُسے اس طرح گھورے خارہی تھی جیسے اُس پیغام کا مفہوم

” عمران نے تمہیں کچھ نہیں بتایا....؟ ”
” اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہمیں تمہیں ان لوگوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ ”
” تب ختم ہو گایے قصہ....! ”

قبل اس کے کہ صدر کچھ کہتا جو زف کی غراہٹ سنائی دی۔
” یہ کم بخشن بھی مصیبت بن جاتا ہے۔ ” صدر بڑا تاہو اٹھا اور دروازہ کھول کر کازیڈور میں
نکل آیا۔

جوزف خواہ خواہ کسی پھرے ہوئے کتے کی طرح غار باتھا۔ صدر نے متحیر ان انداز میں
چاروں طرف دیکھا۔ آس پاس کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر اُس نے جھنجلا کر کہا۔ ” میاد مانع خراب
ہو گیا ہے۔ ”

جوزف نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بدستور غراہٹ۔ انداز ایسا ہی تھا
جیسے کوئی اُس کے سامنے موجود ہو۔

” کیا بہت زیادہ پیلی ہے؟ ”

جوزف نے پھر اُسی طرح ہاتھ اٹھا دیا اور غراہٹ۔

صدر مضبوطی سے دانت پر دانت جھائے اُسے گھوڑے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جوزف نے
غراہٹ ہوئے کہا۔ ” مسراٹا کی ماں سرگئی۔ ” اور خاموش ہو گیا۔

” یہ کیا حرکت تھی۔ تم شاہناوگے ہمیں بھی۔ ”

” آج ہفتہ ہے....! ” جوزف نے نہشٹی سانس لے کر کہا۔
” ضرور پڑھ گئی ہے۔ ”

” نہیں مسٹر.... یہ ہفتہ ہے.... اور رات کے ذیڑھ بجے ہیں۔ ”

” بارہ بجے کے بعد سے اتوار شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کیا نفویت تھی۔ ”

” لغویت نہیں تھی مسٹر.... آپ کے لئے اتوار شروع ہو گیا ہو گا میرے لئے توجہ تک
دوبارہ سورج نہ نکل آئے ہفتہ ہی رہے گا۔ ہفتہ کی رات مسراٹا کی حکومت ہوتی ہے۔ ”

” لا حل ولا قوت.... کہ چین ہو جانے کے باوجود بھی تم توہمات سے پچھا نہیں چڑھا سکے۔ ”

” آسمانی باپ سب کو معاف کر دیتا ہے۔ ” جوزف نے انگلیوں سے کراس بنا کر کہا۔ ” لیکن ”

مسراٹا....! ”

” سب کو اس ہے؟ ”

” نہیں مسٹر.... وہ اُس وقت تک تم پر حادی ہو جانے کی کوشش کرتا رہے گا جب تک کہ
تم کتوں کی طرح غرا کر اُس کی ماں کی موت کی اطلاع نہ دو گے۔ ”

” تو وہ تم پر حادی نہ ہو سکا۔ ” صدر نے مکار کر پوچھا۔

” ہرگز نہیں۔ ” جوزف نے پھر انگلیوں سے کراس بنا لیا۔ ” لیکن میرے باس پر حادی ہو چکا ہے۔ ”

” باس پر.... کیا مطلب۔ ”

” وہ آج کل دن رات خوبصورت لڑکیوں کی تصویریں دیکھتے رہتے ہیں۔ ”

” میرے لئے نہیں اطلاع ہے۔ ”

” میں نے کمی بار سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہیں سنتے۔ ” جوزف بھرائی ہوئی آواز میں
بول۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس وقت سے گھر اصل مدد پہنچا ہو۔

” تم نے کیوں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ”

” مسٹر....! ” جوزف کی آواز میں تحریر تھا۔ ” اگر تمہارا باپ خوبصورت لڑکیوں کے چکر میں
پڑ جائے تو تمہارے کیا جذبات ہوں گے۔ ”

” تو عمران صاحب تمہارے باپ ہیں....؟ یہ نی بات معلوم ہوئی آج۔ ”

” وہ میرے باپ کے بھی باپ ہیں۔ ”

” جوزف اُب تم جا کر سو جاؤ۔ ” صدر نے ترمیم آمیر لجھے میں کہا۔ ” واقعی بہت زیادہ پی گئے ہو۔ ”
” نشہ کہاں ہوتا ہے مسٹر.... چاہے جتنی پی جاؤں.... ہاں میں اپنے باس کی بات کر رہا
ہوں۔ جتنی شفقت مجھے اُن سے ملی ہے اپنی ماں سے بھی نہیں ملی تھی۔ چکہتا ہوں اُن کی عدم
موجودگی میں کسی چھ ماہ کے پچھے کی طرح بلکہ تارہتا ہوں۔ ”

” اُو خدا کے بندے اب جا کر سو بھی رہ۔ ” صدر نے کہا اور کمرے میں چلا آیا۔

ساجدہ صوفے کے ہتھے سے داہنیا شانہ لٹکئے اوگھر رہی تھی اُس کی آہٹ پر چونک پڑی۔

” یہ عمران ایسی زندگی کیوں بر کرتا ہے۔ ” اُس نے صدر سے پوچھا۔

صدر جھنجلا گیا۔

”آنٹیں سے پوچھ لیا ہوتا... میں کیا بتائیں گا۔“
 ”میں نے اس جھشی سے بھی پوچھا تھا۔“
 ”پھر کیا بتایا اُس نے۔“
 ”کچھ نہیں... مڑتے سڑتے سے منہ بتاتا رہتا تھا۔“
 ”وہ قلچی پسند نہیں کرتا کہ کوئی عورت اُس کے باس کے قریب بھی آئے۔“
 ”کوئی آنے ہی کیوں نہیں۔“ ساجدہ نے تیز لمحے میں کہا۔
 ”یہ تھے کہو... نہ جانے کتنی آئیں اور تھک ہار کرو اپس چل گئیں۔ تم نے اُس لڑکی جو لیا
 فشر و بڑ کو دیکھا ہی ہے...!“
 ”ہاں... تو پھر...؟“
 ”وہ عمران کے لئے جان بھی دے سکتی ہے۔“
 ”اوہ نہ ہو گا... مجھے کیا... لیکن میرا مستقبل...!“
 صدر پر کچھ نہ بول۔ وہ سگریٹ سلاگار رہتا۔
 دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ صدر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔
 سامنے ایک یورپیشن لڑکی کھڑی نظر آئی۔ جوزف کا کہیں پہنچنے تھا۔ ورنہ اُس کی موجودگی
 میں وہ تھک کیے دے سکتی۔ اُسے دروازے کے قریب آنے ہی نہ دیکھا۔
 ”میں یہ اطلاع دینے آئی ہوں۔“ اُس نے بڑھ کر بھی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 ”تمہارا بابا گاہدار لاوٹھ میں بیٹھا دھاڑیں مار مار کر رورہا ہے۔“
 ”کیا...؟“ صدر کے لمحے میں جھرت تھی۔
 ”خود جا کر دیکھ لو...!“ اُس نے کہا اور سکراتی ہوئی دوسرا طرف مڑ گئی۔
 صدر بھتایا ہوا کرسے میں آیا اور کوٹ پہن کر پھر باہر جانے والا تھا کہ ساجدہ بول پڑی۔
 ”ہاں چلے... میں تباہ نہیں رہوں گی۔“
 ”بیکار باشیں مت کرو۔“ وہ تیز لمحے میں بول۔ ”لاوٹھ تک جا رہا ہوں۔“
 لاوٹھ کی طرف جاتے وقت سوچ رہا تھا کہ آخر ایکس ٹونے یہ دتوں یا کہیں اُس کے گلے میں
 کیوں لگائی ہیں اس سے پہلے کبھی خود ایکس توکی طرف سے جوزف کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا۔

تھا۔ اس بار کیوں اس نے بادی گاہدار کے فرائض اُس کے سپرد کئے تھے۔
 لاوٹھ نہیں پہنچ کر اُس نے جوزف کے گرد بھیڑ دیکھی جو فرش پر اکڑوں بیٹھا دھاڑیں مار مار کر
 روز باتھا اور ہوٹل کے منتظمین اُسے وہاں سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔
 دفعتاً اسی بھیڑ سے کسی نے کہا ”اُدھا اس کا بابس بھی آرہا ہے۔“
 لوگ صدر کی طرف متوجہ ہو گئے اور اُسے جوزف تک پہنچنے کے لئے راستہ بھی دیا۔
 ”جوزف... جوزف...!“ صدر نے اُس کے شانے پکڑے اور اُسے نری طرح جھجوڑتا
 رہا لیکن اُس کے رونے کی رفتار کم نہ ہوئی۔
 ”جناب عالی! اسے لجا یئے یہاں سے... ورنہ ہوٹل کا رپوٹیشن خاک میں مل جائے گا۔“
 ایک منتظم نے ہانپتے ہوئے کہا۔
 صدر نے جوزف کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اُس نے اپنی ناٹکیں
 پھیلایاں... اور جب صدر نے تھک ہار کر ہاتھ اُس کی بغلوں سے نکالے تو وہ فرش پر لبالہ بالایا
 ہوا تھا۔ دہائیں اب بھی جاری تھیں۔ کچھ کہے بغیر متواتر رونے جا رہا تھا۔
 صدر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے سر بازار کسی نے کپڑے اتر والے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ
 اس مشین کی کون سی کل دبائی جائے کہ اس کی ”بھوں بھوں“ رکے۔
 آخر اس نے بے بھی سے کہا۔ ”او... جوزف... تجھے سمسانا کھا جائے... خاموش ہو جا
 ورنہ خوبصورت لڑکوں کی جو ٹیاں تیرے سر پر منڈلائیں گی۔“
 پھر تجھ ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ کوئی چلتی ہوئی مشین ہی ہو جس میں یہک بریک لگ
 گئی ہو۔ وہ خوفزدہ انداز میں آنکھیں پھاڑے چھت کو گھوڑے جا رہا تھا اور دوسرے لوگ صدر کو
 گھوڑا رہے تھے کیونکہ اُس نے یہ چند الفاظ انگریزی ہی میں کہے تھے اور دوسرے سننے والوں نے
 بھی انہیں صاف سنائے۔
 ”اب اٹھ بھی۔“ صدر نے کہا۔ ”ورنہ سمسانا۔“
 ”نہیں... نہیں...!“ جوزف بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”آج سینچر کی رات ہے ایسا نہ کہو
 مسٹر ہوئی قادر...“ اُس نے سینے پر کراس بناتے ہوئے کہا اور چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف
 روانہ ہو گیا۔

پھر صدر نے اسی یوریشین لڑکی کی طرف دیکھا جس نے اس واقعی کی اطلاع صدر کو دی تھی۔
لڑکی اس کے قریب آگر بولی۔ ”تم نے اس سے جو کچھ کہا تھا اس کا کیا مطلب تھا؟“
”مطلوب....!“ صدر نے حیرت سے کہا۔ ”فیریت کے کالے جادو کا مطلب میں کیا بتا سکوں گا۔ ایک بند رنجانے والے سے اسے خرید اتا۔ اسی نے بتایا تھا یہ جادو کہ جب کوئی کل میٹھی
ہو جائے اسی منظر کے ذریعے سیدھی ہو سکے گی۔“

”ایسے یہ قوف آدمی کو باڈی گارڈ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے اسے پیتے بھی دیکھا ہے۔
بے تھا شہ بیتا ہے۔“

”چھ بو تلیں یومیہ۔“ صدر نے کہا۔ اب وہ اپنے کروں کی طرف چل پڑا تھا اور لڑکی بھی
اس کے ساتھ ہی ساتھ جل رہی تھی۔

”چھ بو تلیں....!“ اس نے حیرت سے دہرایا۔ ”آخر اس میں کون سے سرخاب کے پر گلے
ہوئے ہیں کہ تم اتنے اخراجات برداشت کرتے ہو۔“

”بڑے کام کا آدمی ہے۔“ صدر بولا۔ ”ہنسنے کے مقام پر روتا ہے اور رونے کے مقام پر
قہقہے لگاتا ہے۔“

”کیا تم کسی دیسی ریاست سے تعلق رکھتے ہو۔“

”ہاں.... میں رانا ہبور علی صندوقی کا پرائیورٹی سیکریٹری ہوں۔“

”یہ رانا ہبور علی کون ہے۔“

”مہت بڑا آدمی ہے۔ یہ جانور جسے ابھی تم دہلیزیں مارتے دیکھ پچھی ہو اسی نے پال رکھا ہے۔“

”رانا ہبور علی کہاں ہے؟“

”پتہ نہیں.... سیلانی آدمی ہیں۔ کہیں تکہیں ضرور ہوں گے۔“

”مجھے بے حد شوق ہے کہ کسی دیسی ریاست کے شہزادے کی سیکریٹری بنوں۔“

”صدر نے چلتے چلتے رک کر اسے غور سے دیکھا۔ وہ بھی رک گئی تھی۔“

”اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔“

”میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں تم نیلے ہی سے تو اس موقعہ کی تاک میں نہیں تھیں۔“

”کیا مطلب؟“

27

”تم خواہ تجوہ مجھ سے گفتگو کے موقع تلاش کرتی ہو۔“ صدر نے سخت لمحہ میں کہا۔
”چلو سکیں سکی۔“ وہ بڑے دلاؤ زاندراز میں مسکرائی۔ ”لیکن اسیں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔“
”ہوں، تو تم ہماری اسٹیٹ کی ملازمت چاہتی ہو۔“ صدر نے پر تھکر لمحہ میں کہا لیکن آواز
میں سختی ابھی تک برقرار تھی۔

”یقیناً چاہتی ہوں۔“

”نی الحال کیا کر رہی ہو۔“

”میں یہاں اس ہوش کے نیلی فون ایکچھ پر یقینی ہوں۔“

”لیکن یہ ملازمت پسند نہیں۔“

”اگر آزاد روی پر اتر آؤں تو اس سے زیادہ منفعت بخش اور کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں سکتا۔“

”اچھی بات ہے۔ میں غور کروں گا۔“

”تو پھر میں صح کوٹوں۔“ یوریشین لڑکی نے پوچھا۔

”میں خود مل لوں گا۔“ صدر بھی کسی قدر لگاؤٹ کے ساتھ مسکرا یا۔ ”تمہارے ذیوٹی کے
اوقات کیا ہیں۔ کیا نام ہے۔“

”ریٹا.... ریٹا جبراٹل.... میں بہیں رہتی ہوں۔ کرو نمبر ستائیں۔“

”ٹھیک ہے! میں سوچوں گا کہ تمہارے لئے کہاں جگہ نکالی جائے۔“

”صرف سیکریٹری شب چاہتی ہوں۔“ وہ انگلی انھا کر بولی۔

”اوہو.... تو تم میری جگہ لینا چاہتی ہو۔“

”تمہیں وہ کوئی دوسرا جگہ دے دے گا۔ مردوں کے مرد سیکریٹری ایجھے نہیں لگتے۔“

”غیر.... خیر.... دیکھا جائے گا۔“ صدر جہاں لے کر بولا۔ ”اب مجھے نیند آرہی ہے۔“

”شب بخیر۔“ وہ دوسرا طرف مرتی ہوئی بولی۔ ”خیال رکھنا۔“

صدر اپنے کرے میں جانے سے پہلے جوزف کی طرف متوجہ ہوا۔ جو دروازے سے تین یا
چار فٹ کے فاصلے پر پھر کے کسی بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

”کیا ہو گیا تھا تمہیں....!“ صدر نے پوچھا۔

”میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں سُن۔“ صرف اس کے ہونٹوں نے جھپٹ کی۔

”سیا مطلب...؟“

”بتو کچھ میں کر رہا ہوں پاس کے حکم سے کر رہا ہوں.... لیکن تم نے اس وقت اس منوس بدر وح کا نام لے کر میرا نشہ اکھاڑ دیا ہے.... چھپی بوتل میں صرف چوتھائی رہ گئی ہے۔ سو جتنا ہوں صح تک کیا ہو گا۔“

” عمران صاحب نے ...!“

” خاموش رہ ہو۔ کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ابھی وہ سفید چریل تم سے کیا بتیں کر رہی تھی۔“
”اوہ ہو تو کیا میں تمہیں جواب دے ہو۔“

” نہیں لیکن ہوشیار رہنا.... سفید نسل کا خون جس میں بھی ہو اس سے ہوشیار رہو۔ خواہ تو اہا پنا و قت شائع نہیں کرتے۔“

” مشورے کا شکریہ۔“ صدر نے مہماں سہ بنا کر کھا اور کمرے سے چلا گیا۔

صح ہوتے ہی صبیحہ پائیں بلاغ میں نکل آئی۔ ابھی صرف وہی ملازم بیدار ہوا تھا جس کے ذمے باور ہی خانے کے انتظامات تھے لہذا وہ باور ہی خانے میں مشغول تھا۔
وہ مالی کی کوٹھری کی طرف بڑھی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے جماں کر دیکھا چارپائی خالی نظر آئی اور اس نے اطمینان کا سافن لیا۔ رات ہی نکل بھاگ ہو گا۔ اس نے سوچا۔۔۔ اندر ملکجہسا انتہی رہا تھا۔۔۔ اس نے دروازہ کچھ اور کھول کر چاروں طرف نظر درڈائی اور پھر ہی دھک سے ہو گیا۔ یہ چارپائی کے نیچے کون پڑا تھا جس کی ناگلی دوسری طرف نکلی ہوئی تھیں۔
دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ سمجھتی میں نہ آیا کہ کیا معاملہ ہے۔

وہ دروازہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئی۔ ابھی پیچھے ہی دونوں اس نے ایک جاسو سی ناول پڑھا تھا جس میں ایک ایسے ہی اجنبی کی کہانی تھی۔ اجنبی نے کسی کے مکان میں رات بر کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ وہاں سویا بھی تھا اور جب دوسری صح صاحب خان اس کے کمرے میں گیا تو اس کی گزدن دھڑک سے الگ پائی تھی۔ چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔

اُسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اگر کسی نے قتل کر دیا ہے تو اب کیا ہو گا۔ ملاز میں

شادوت دیں گے کہ اُس کی ماں اور بانی نے اسے پکڑوا کر بند کر دیا تھا۔ انہیں اس کا علم تو نہیں ہے کہ اُس نے رات ہی اسٹور سے باہر نکال کر مالی کی کوٹھری میں پہنچا دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کے حضور گزر گزارنے لگی۔ سوچ رہی تھی کہ بزرگوں کو پریشان کرنے کی سزا ملی ہے اسے!
چھروں لا چھل پڑی کو نکہ مالی کی کوٹھری کا دروازہ آواز کے ساتھ کھلا تھا۔

” لگنڈا نگنگ ...! اجنبی کی بھراں ہی آواز آئی۔“

” تم ... زندہ ہو ...!“ صبیحہ اس کی طرف چھپتی۔

” ابھی تک تو زندہ ہوں لیکن اگر دس منٹ کے اندر اندر ناشستہ ملا تو یہیں ڈھیر ہو جاؤں گا۔“

” تو تم ہی چارپائی کے نیچے پڑے تھے۔“

” ہی ہاں بالکل کیا کرتا ... میں نے سوچا جس کی چارپائی ہے اگر اُس نے آکر سوتے سے اٹھا دیا تو خواہ تھوڑی بوریت ہو گی۔ لہذا کیوں نہ میں چارپائی کے نیچے ہی سور ہوں۔“

” اچھا اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔“ وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

” ماشیتے کے بغیر ہی ... نہیں ایسا ظلم نہ سمجھتے ... میری جیب نہ کٹ گئی ہوتی تو کبھی نہ کہتا مجھے خود ہی بھیک مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔“

” تم یقیناً کوئی بھکاری ہی ہو۔“ صبیحہ دانت پیس کر بولی۔ ” مجھے اب تم سے ذرہ برابر بھی نہ دردی نہیں رہ گئی تم نے ابھی مجھے ڈر دیا تھا۔“

” میں نے ...! اجنبی نے حرمت سے کہا۔ ” کب ...؟“

” جب تم چارپائی کے نیچے اونٹھے پڑے ہوئے تھے میں سمجھی شاید کسی نے تمہیں قتل کر دیا ہے۔“
” نوجوان بوکلا کر اپنی گردی ٹوٹ لگ۔ پھر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ ”کیوں ڈر ارہی ہیں مجھے۔“

” بس چلے جاؤ یہاں سے۔“

” کہاں جاؤں؟“ اس نے بے بی سے کہا۔ ” سامان اگر مل بھی گیا تو واپسی کا کرایہ نہیں ہے۔“
” اب ایک پائی بھی نہ دوں گی سمجھے ...?“

” جی سمجھ گیا۔“

” آ پھر جاؤ۔“

”آپ ہی نے تو کہا تھا۔“ اجنبی نے اسی طرح سر کے بل کھڑے ہوئے کہا۔
”تم بھکاری ہی نہیں مداری بھی ہو۔“ صبیح دانت پیش کر بولی۔ ”سید ہے ہو جاؤ ورنہ اب
کہیں ہی تم پر پھر اور شروع کر دوں گی۔“

”ارے... بب... بب... باب رے۔“ وہ سید ہا ہوتا ہوا بولا۔ چند لمحے صبیح کو گھورتے رہا پھر
”اللٰہ!“ اب مجھے بھی غصہ آجائے گا۔“

”تو کیا لگاڑ لو گے تم میرا۔“

”چیختا بھروں گا سارے شہر میں کہ میں اختر ہوں۔“ ڈپٹی صاحب کی قرۃ العین صبیح نے خط
لکھ کر مجھے بلوایا تھا۔ رات بھر اسٹور میں بندر کھا اور اب خوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔۔۔
”دُو اللہ کے نام پر۔“

”اگر تم نے مجھے بد نام کرنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچائیے جاؤ گے۔“
”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“

”میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔“

”میں کہتا ہوں ناشتہ کراؤ۔۔۔ نہیں تو سیکھ کھڑے ہو کر چیختا شروع کر دوں گا کہ اسٹور روم
سے نکال کر اس کو ٹھری میں بندر کھا تھا۔“

”تم عجیب آدمی ہو۔“

”عجیب ترین کھو۔ موڑ ڈرا یوری ہی دلوادو کہیں۔ ایسے ایسے کرتبا کھاؤں گا کہ جی خوش
ہو جائے گا۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو۔“

”فی الحال ناشتہ اور اس کے بعد نوکری۔ لیکن نوکری بغیر انٹرویو۔۔۔ ورنہ ہرگز نہ ملے گی۔
چھلے مہینے ایک جگہ انٹرویو میں گیا۔ وہاں ایک کاٹھ کا گھوڑا رکھا ہوا تھا جس پر بیٹھ کر پچھے جھولتے
ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے میں نے کہا کاٹھ کا گھوڑا۔ انہوں نے پھر پوچھا اگر
اس پر کوئی محمر آدمی بیٹھا ہوا نظر آئے تو تم پر اس کا کیا رد عمل ہو گا۔ میں نے کہا پہلے یہ بتائیے
رد عمل کے کہتے ہیں۔ بولے رہی ایکشن کو۔ میں نے کہا میں انہیں اس حال میں دیکھ کر کاٹھ کا اکلو
کہہ بیٹھوں گا۔ چلو انٹرویو تو وہیں کا وہیں ختم ہو گیا اور میں چھلی رات تک پرواہ تقریر کا انتظار کرتا

”یا اللہ میں کہاں جاؤں۔“ وہ اپنی پیشانی پر دھمکو مار کر بلبلایا۔ ”ارے میں موڑ ڈرا یوری
بھی کر سکتا ہوں۔۔۔ صرف ذی المیں سی آکسن ہی نہیں ہوں۔“

”کیا... کیا... ذی المیں سی آکسن... تم...!“

”ہاں... میں نے فرنس میں ریروچ کی تھی۔“

”جتاب نے...!“ وہ اس کے چہرے کے قریب ہاتھ لے جا کر بولی۔

”بب... بالکل بالکل...!“

”میڑک تک فرنس پڑھ لی ہو گی۔“

”خداعارت کرے مجھے۔“ وہ غصہ سے اپنا سر پیٹ کر بولا۔ ”کیسے لوگوں میں آپھسا ہوں۔“

”تم کوئی بہت بڑے فرائذ ہو۔“

”مجھے کب اثکار ہے اس سے.... لیکن میڑک دیڑک کی بات تو نہ کرو۔“

”تمہیں اعتراف ہے کہ تم فراؤ ہو۔“

”بالکل ہے۔ بھوک گلی ہو تو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میری بات سنو میں دنیا میں صرف تین کام

کر سکتا ہوں۔ سانس کی پروفیسری یا موڑ ڈرا یوری... پا پھر بھیک مانگ کر گزار کر سکتا ہوں۔“

”تو یہاں تم پروفیسری کی تلاش میں آئے تھے یا موڑ ڈرا یوری کی...؟“

”کسی کے لئے بھی آیا ہوں لیکن اب تو بھیک مانگتا پھر رہا ہوں۔“

”وہ بھی نہیں ملے گی۔ اب چلے ہی جاؤ ورنہ فوکروں کو بلاتی ہوں۔“

”چلا جاؤں گا... لیکن جاؤں کہاں۔“

”تلائش کرو جا کر اپنے چودھری عبداللطیف کو۔“

”کوئی تدبیر ہتایے اسی کہ اس تک پہنچ سکوں۔“

”سر کے بل کھڑے ہو کر سوچو شاید بار آجائے۔“

”جی، بہت اچھا۔“ بڑی سادگی سے کہا گیا۔

اور پھر صبیح نے دیکھا وہ پھرتی سے سر کے بل کھڑا ہو گیا ہے۔

”ارے ارے... یہ کیا حرکت۔“ صبیح بوكھلا کر چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

اتا جالا تو پھیل ہی چکا تھا کہ اس کی یہ حرکت دور سے بھی دیکھی جا سکتی۔

پھر اس نے گیراج سے گاڑی بکالی... اور ناشتے کا سامان لینے پھر باورچی خانے میں آئی۔
اورچی نے ناشتے کی جہانی تیار کردی تھی۔

صیبحہ سوچ رہی تھی کہ آج اس کمپنی کو سارا دن بھوکا مارا جائے۔ کیوں نہ وہ ماں کی کوٹھری کو اپرے مغلول کر دے۔ شاید ہی کوئی ادھر دھیان دیتا ہو۔ دروازے میں قفل دکھ کر کسی کو بھی اس نے تبدیلی کا احساس نہ ہو گا۔ وہ سور تو چانے سے رہا۔ چوں بھی کی تو جامت بن جائے گی۔ اتنا بھی احتمال نہ ہو گا کہ اتنی موٹی کی بات بھی میں نہ آسکے۔

بہر حال اس نے ماں کی کوٹھری مغلول کردی۔ جلدی میں تھی۔ اکثر صبح کا ناشتہ شہر سے باہر کی دیرانے میں کرتی تھی۔ ایسے موقع پر کار خود ہی ڈرائیور کرتی تھی۔ دیسے بھی آج کل کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ ڈپٹی صاحب کو ڈرائیور کی خلاش تھی لیکن ابھی تک کوئی مغلول آدمی نہیں ملا تھا۔ بہت آزاد خیال تھے لیکن نہ جانے کیوں ڈرائیور کے لئے بوڑھے آدمی کی خلاش تھی۔ صیبحہ نے کہی بار اس مسئلہ پر ان سے بحث بھی کرنی چاہی تھی لیکن وہ ادھر ادھر کی باتوں میں اڑا جاتے۔ اونق کی گہری سرخی میں چکلیا پین آپلا تھا اور صیبحہ کی کار دیر انوں کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ عادل آباد، بہت بڑا شہر نہیں تھا۔ میل ڈیڑھ میل کے بعد ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کے سلسلے شروع ہو گئے تھے۔

و�퇱نا عقب نما آئینے میں سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کاپ نظر آئی اور اسے یکخت غصہ آگیا۔
”سور کا پچھہ...!“ وہ ہوشیار ہوتا ہو ٹوٹا۔

وہ جب بھی اس طرح تھا گاڑی لے کر باہر نکلتی وہ ”مردو“ تعاتب شروع کر دیتا تھا۔ لیکن آج تک چھپر چھاڑ نہیں کی تھی۔ جہاں وہ شہر کرنا شیش کرتی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر وہ بھی اپنی کار روک دیتا یا تو خود بھی ناشتہ کرتا یا سارا سلکا کر بیٹھا رہتا۔

اس سے ڈپٹی صاحب بھی خائف رہتے تھے لہذا وہ ان ہی سے شکانت کر کے اس کا کیا گاڑ لیتی۔ ڈپٹی صاحب بھی اس سے اس لئے ذرتے تھے کہ وہ ڈیڑھن کے کمشٹ کا سالا تھا۔

عین ان کے بیٹھے کے نسانے والی کوٹھی میں رہتا تھا وہاں عورتیں نہیں تھیں۔ لیکن بھی کبھی نظر ضرور آتی تھیں۔ ہر بار نئی نئی شکلیں۔

بحد اسا آدمی تھا۔ البتہ اعتماد مضبوط تھے۔ لیں ایسا لگتا تھا جیسے کسی بنتے کو پہلوانی کا شوق چریا ہو۔

رہا ہوں۔“

”قیامت نک کرتے رہو گے۔ تم خود ہی کوئی جیب کترے معلوم ہوتے ہو۔ خواہ خواہ جیب کٹ جانے کی کہانی لے بیٹھے۔“

”اجلا بھیل گیا ہے۔“ اجنبی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔ ”اگر کسی نے مجھے اسٹور روم کی بجائے یہاں دیکھ لیا تو تمہاری کیا پوزیشن ہو گی.... اچھا نہا۔ اس نے پھر تی سے کوٹھری میں گھس کر اندر سے کندھی چڑھا دی۔

صیبحہ دانت پیشی رہ گئی۔ شدت سے غصہ آرہا تھا اس پکلنے گھر سے پر۔ کوئی حیادار آدمی ہوتا تو اسکی باشی اسے لٹھرنے پر اسکا تھا۔ لیکن یہاں تو اس طرح ان کی پذیرائی ہوئی تھی جیسے کافی پر چلنے والی چیزوں نئی جھاڑادی گئی ہو۔

پھر اب وہ کیا کرے۔ کس طرح اس بلاستے پیچھا چڑھا۔ اس نے بھی یہ بات بڑے پتے کی کہی تھی کہ اگر وہ اسٹور روم کی بجائے وہاں پیلا گیا تو خود صیبحہ کا کیا حشر ہو گا۔ وہ جھلا کر دروازہ پیشے گئی اور وہ اندر سے بولا۔ ”میں تمہارے پیلا کے آنے نک میں بند رہوں گا۔“

”اے موزی.... خبیث نکلو باہر ورنہ...!“ وہ دانت پیس پیس کر بولی۔

”شائے لاو۔“ اندر سے آواز آئی۔

”خداغارت کرے تمہیں سور کیجئے۔“

”چلو یہی دعا مانگو! میں بھی اس دکھ بھری زندگی سے نجات کا خواہاں ہوں۔“

”مرد گے.... اللہ نے چاہا تو ایشیاں رگڑ کر مرد گے۔“

”تھوڑی دیر اور ناشتہ نہ ملا تو تمہاری بد دعاوں کے بغیر ہی یہ سب کچھ ہو جائے گا۔“

صیبحہ نے سوچا اس موزی کو اب مزہ ہی چکھانا چاہئے.... ستھاتی ہوئی سید ہی باورچی خانے کی طرف آئی۔ یہاں ملازم چائے تیار کر چکا تھا۔ کچھ سینڈوچ بھی بنا لئے تھے.... ساتھ ہی بڑی بی کے لئے دلیا بھی تیار کر کھا تھا۔

اس نے اس سے کہا کہ تھر ماس میں چائے بھردے اور کچھ سینڈوچ بھی پیک کر دے وہ باہر جائے گی۔

آج بھی اس نے کچھ آگے بڑھ کر اپنی اسپورٹ کار روکی تھی۔ صبیحہ گاڑی سے باہر نہ نکلی۔ وہ اس سے خاکف نہیں تھی۔ اس کی بجائے کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایک آدھ بار کے تعاقب کے بعد ہی سے ادھر آنا چھوڑ دیتی لیکن صبیحہ نے اپنی روشن نہیں بدلتی تھی۔ اب تو اسے مدد ہو گئی تھی۔ چاہتی تھی کہ کبھی وہ پکھ بولے اور وہ اس کی گردان دبوچ بیٹھے۔ اس نے سوچا آج گاڑی سے باہر نہ نکلے گی۔ شاید اسی پر وہ کچھ کہے۔ صبیحہ کو اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ یہاں اس دیرانے میں ان دونوں کے علاوہ دور در تک کسی تیسرے وجود کا پتہ نہیں اگر اس نے کچھ شروع ہی کر دیا تو کیا ہو گا۔

دفعتاً اس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی بیک کر کے اسی طرف لا رہا تھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے وہ اس کی اسپورٹ کار کو گھوڑتی رہی۔ پھر اس کی گاڑی اس کے برابر ہی آگئی۔ اور صبیحہ کا جی دھک سے ہو گیا۔ ایک بہت بڑا چاقاؤ اس کی گود میں کھلا پڑا تھا۔

اب اسے احسان ہوا کہ وہ زبردست غلطی کرتی رہی ہے اب اگر اس دیرانے میں وہ کچھ شروع کر دے تو اس کا کیا بگاڑ سکے گی۔ اس نے اس طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ آخر اس نے اس ضد بندی کے سلسلے میں اس پہلو پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ کیا بگاڑ سکے گی اس کا۔ جسمانی قوت اس سے زیادہ تور کھتی نہیں۔ شاید ان دونوں ستارے ہی گردش میں تھے۔ ہر معاملے میں منہ کی کھانی پڑ رہی تھی۔

اس نے گاڑی اس کی گاڑی کے برابر وک کر اٹھن بندر کر دیا اس کی طرف مڑا۔ اور صبیحہ نے اس کے ہوتوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ ادھ کھلی آنکھوں کے سامنے میں وہ مسکراہٹ تھی۔ لیکن صبیحہ بھی جی کڑا کر کے اس کی طرف دیکھے ہی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اس چاقو کی طرف بھی دیکھتی جو اس کی گود میں پڑا چک رہا تھا۔

دفعتاً اس نے صبیحہ کے چہرے سے نظر ہٹائی اور اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی جھابلی سے ایک سینڈوچ نکالا اور خاموشی سے کھانے لگا۔

صبیحہ بھی چوکی۔ زندگی میں شاید یہیں بارہ وہ اتنی خوفزدہ ہوئی تھی اور اس نے اشارہ کی طرف ہاتھ اٹھایا تھا کہ اسپورٹ کار سے آواز آئی۔ ”اسے بھی دیکھ لو۔“

صبیحہ نے بوکھلا کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بڑا ساری یو اور نظر آیا۔ ”چاروں پیسوں... بیکار کر دوں گا... ذرا آگے بڑھ کر تو دیکھو...!“

لعت ہے ایسی ضدی طبیعت پر۔ اس نے دل ہی دل میں لرزتے ہوئے سوچا۔ اب بھلا اس نہیں ضد بندی کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اس نے ایک آدھ بار تعاقب کیا تھا تو ادھ آنا ہی چوڑتی۔ ایسا نہ کرتی تو زندگی کے معمولات میں کیا فرق پڑتا۔

بچھل رات اختر کے معاملے میں پریشان ہو پچھلی تھی تو صحیح مقاطعہ ہی رہنا چاہئے تھا لیکن یہ دوسری حاجافت سرزد ہوئی گئی۔

وہ ایک نیک اس خوفناک یو اور کو دیکھے جا رہی تھی کہ دفعتاً پشت سے ایک ہاتھ ریو اور پر پڑا اور ساتھ ہی یو اور والے کے سر پر ایک میلا سا کپڑا بھی۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ یو اور اچھل کر گاڑی کے نیچے آگرا ہے۔ ایک تیسرا آدمی اس نا محول آدمی کو دبوچے ہوئے تھا۔ وہ اس کی صورت نہ دیکھ سکی کیونکہ پشت اسی کی طرف تھی پھر جب وہ اس کی طرف مڑا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ تو وہی بچھل رات والا لفڑا تھا جسے وہ مالی کی کوٹھری میں بند کر کے قفل لگا آئی تھی۔ اس نے جھک کر یو اور اٹھایا اور اسے تعاقب کرنے والے کی گروں سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ”دوسری طرف گھوم جاؤ اگر ادھ سڑتے تو گوئی مار دوں گا۔“

دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کی گود میں پڑا ہوا چاقو بھی اٹھایا تھا۔

صبیحہ نے دیکھا کہ اس نے وہی میلا کپڑا جو اس نے اس سر پر ڈالا تھا اگر دن میں اس طرح باندھ دیا ہے کہ سر اور چہرہ چھپ کر رہے گے ہیں۔

”اب کراؤ ناشتے...!“ اس نے صبیحہ کی طرف مڑ کر گا۔

اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ اجنبی نے بھی احتفانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔

”تم یہاں کیسے پہنچ گے۔“ اس نے اپنی گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا۔

لیکن احتفانہ نے باسیں آنکھ دبا کر اسے اس مسئلے پر کچھ کہنے سے باز رہنے کا اشارہ کیا۔

صبیحہ سچی کھلی پڑ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس اجنبی کو عرصہ سے جانتی ہو۔ اجنبی نے یو اور اچھا تو صبیحہ کی گاڑی میں ڈال دیئے اور تعاقب کرنے والے کے سر پر

سے وہ کپڑا بھی کھینچ لیا۔ لیکن اجنبی دوسری ہی جانب مڑا بیٹھا رہا۔

”اب تم ادھر دیکھ کر کتے ہو۔“ اجنبی نے احتفانہ انداز میں خوش ہو کر گا۔

وہ اس کی طرف مڑا اور اس کے ہاتھ میں ریو الورن دیکھ کر شیر ہو گیا۔ گاڑی میں بیٹھے ہی پچھے دیر بعد وہ منہ چلاتے رک کر اس سے بولا۔ ”ہوش میں آنے کا انتظار کرو گی یا طرف ہٹ گئی۔ تعاقب کرنے والا اس کی دلانتی میں اس حق نوجوان سے کہیں زیادہ مضبوط اور ”میں کہتی ہوں اب بھاگو یہاں سے۔ اگر کوئی آگیا تو... یہ کشنز کا سالا ہے۔“ طاقتور تھا... دلوں لگھے ہوئے زمین پر آئے... پھر صیبح نے دیکھا کہ احمد ترپ کر اس کی ”صیبح اتنا کالا ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔

”جلدی سے گاڑی پر بیٹھ جاؤ۔“
اس کے بعد اس نے اسے بھی زمین سے اٹھ جانے کی مہلت نہیں دی۔ بس ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا اور تعاقب کرنے والا کسی نے بس بھینے کی طرح ذکر کرتا ہوا بار بار اپنی پوزیشن تبدیل کئے جا رہا تھا۔ لیکن شاید ہی اجنبی کی کوئی ٹھوکر خالی گئی ہو... اور ہر ٹھوکر پر اس کے چہرے پر کچھ اپنے تاثرات نظر آتے جیسے وہ اسے ٹھوک مار کر پچھتا رہا ہو۔ بے حد شرمندہ ہوا اپنی اس حرکت پر جو مشین طور پر متواتر سرزد ہوتی چلی جا رہی ہو... مار کھانے والے کی پیشانی سے خون بہہ بہ کر پورے چہرے پر پھیل رہا تھا اور وہ بار بار اپنی آنکھیں صاف کرتا تھا۔

”بن کرو... اب بن کرو۔“ صیبح بوکھلائے ہوئے لبھ میں بولی۔ ”چلو بس ہو گئی۔“ اجنبی بیچھے ہٹا ہوا بولا۔ پٹھن والا اونڈھے منہ پڑا تھا۔

صیبح چپ چاپ پچھلی سیٹ پر جائیٹھی... وہ سوچ رہی تھی شامکدوہ اسے اپنے قریب بیٹھنے دوں والا خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ خون دیکھ کر صیبح پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کہتا کرنا چاہئے۔ دفترا اجنبی روہانی آواز میں بولا۔ ”ارے اس ورزش کی وجہ سے تو بھوک اور زیادہ چک اٹھی ہے۔“

صیبح نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ناشتے کی جہاں پچھلی سیٹ سے اٹھائی اور اس کی طرف خاموشی سے بڑھا دی۔ اس نے بیک وقت دو تین سینڈوچ نکال لئے اور ایک سینڈوچ پر منہ مارتا ہوا ازخی آدمی کو پر تشویش نظریوں سے دیکھتا رہا۔

”تم سنو تو کہی۔“
”یہ... یہ... دراصل... ڈویٹل کشنز کا سالا ہے۔“
”پوری سرال کا کشنز ہو میری بلا سے۔“
”سناو... ۱۰۰۰ اجنبی جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑا۔
”ہمارے بیگنے کے سامنے رہتا ہے۔“

”کچھ دیر بعد وہ منہ چلاتے رک کر اس سے بولا۔“ ”کچھ دیر بعد وہ منہ چلاتے رک کر اس سے بیٹھے ہی پلٹ لگا کر چھلانگ لکائی اور اجنبی پر جھپٹ پڑا۔ صیبح ذری ذری کی آوازیں نکالی ہوئی ایک سلسلے پر تھے نظر آئیں۔“ طرف ہٹ گئی۔ تعاقب کرنے والا اس کی دلانتی میں اس حق نوجوان سے کہیں زیادہ مضبوط اور ”میں کہتی ہوں اب بھاگو یہاں سے۔ اگر کوئی آگیا تو... یہ کشنز کا سالا ہے۔“ طاقتور تھا... دلوں لگھے ہوئے زمین پر آئے... پھر صیبح نے دیکھا کہ احمد ترپ کر اس کی ”صیبح اتنا کالا ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔

”جلدی سے گاڑی پر بیٹھ جاؤ۔“

”اس سے بھیں چھوڑ جاؤ گی۔“ ”میں تو پھر کیا خود آتی ہے!“ اسے اپنے اسپورٹ کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”میں تو پھر کیا خود آتی ہے!“ پھر بیٹھ گرا کر صیبح کی گاڑی کی طرف آیا۔ ”میں تو پھر کیا خود آتی ہے!“ اسے ٹھوک مار کر پچھتا رہا۔ بے حد شرمندہ ہوا اپنی اس حرکت پر جو مشین طور پر متواتر سرزد ہوتی چلی جا رہی ہو... مار کھانے والے کی پیشانی سے خون بہہ بہ کر پورے چہرے پر پھیل رہا تھا اور وہ بار بار اپنی آنکھیں صاف کرتا تھا۔

”میں کیا مطلب؟“ صیبح آگے نہ بڑھتی ہوئی بولی۔ ”تم ذرا بیو کرو گے۔“ ”بالکل... یہ بھی دیکھ لو کہ ذرا بیو کیسا ہوں۔“

صیبح چپ چاپ پچھلی سیٹ پر جائیٹھی... وہ سوچ رہی تھی... اسے اپنے قریب بیٹھنے دوں والا خاموشی سے دیکھتے رہے۔ خون دیکھ کر صیبح پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کہتا کرنا چاہئے۔ دفترا اجنبی روہانی آواز میں بولا۔ ”ارے اس ورزش کی وجہ سے تو بھوک اور زیادہ چک اٹھی ہے۔“

”تم سنو تو کہی۔“
”یہ... یہ... دراصل... ڈویٹل کشنز کا سالا ہے۔“
”پوری سرال کا کشنز ہو میری بلا سے۔“
”سناو... ۱۰۰۰ اجنبی جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑا۔

”ہمارے بیگنے کے سامنے رہتا ہے۔“

”اچھا تو پھر....!“

”تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میرے والدُ پئی گلکر ہیں۔“

”بہت سی لاڑکیوں کے والدُ پئی گلکر ہوں گے پھر میں کیا کروں؟“

”مطلوب یہ کہ وہ دویشیں کمشنر کے ماتحت ہیں.... اور یہ آن کاسالا۔“

”ہو گا سالا....!“

”اچھا چلو....!“ وہ مردہ سی آواز میں بولی۔ ساری شیخی اور شوخی دھری رہ گئی تھی۔ اب تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اس اجنبی کی غلامی کرتی چلی آئی ہو۔ گاڑی چل پڑی اور صیحہ نے پکھ دیں بعد اسے مخاطب کیا۔

”میں تو کو ٹھری کو مقلع ل کر آئی تھی۔“

”کب بھی مقلع ہی ہو گی۔“

”کیا مطلب....؟“

”میں کیا جاؤں.... کیا مطلب....!“

”ارے تم کو ٹھری سے نکل کیسے تھے۔“

”جب تم گاڑی کیرانج سے نکال کر اندر چلی گئی تھیں تو میں باہر نکلا تھا۔ ذکرِ اٹھائی تھی اور اندر..... ذ کے ہمیشہ مقلع رہنی چاہئے۔“

”اوہ.... تو میں نے کو ٹھری میں اس وقت قفل لکھا تھا جب تم اندر نہیں تھے۔“

”یہی بات رہنی ہو گی۔“

”تم نے ابھی تک مجھ سے اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔“

”کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو فور کری چاہئے۔ ڈرائیوری ہی سکی.... درستہ میرے ہونے والے سالے تو مجھے ذبح کی کرڈا لیں گے۔“

”مگر تم میرے یہاں کیسے ڈرائیوری کر سکو گے۔ تمہیں تو سب جانتے ہیں۔“

”مجھے کوئی نہیں پہچانتا....!“ اجنبی نے عقب نما آئینے کی پوزیشن کسی قدر بدلتے ہوئے کہا۔ صیحہ کی نظر آئینے پر پڑی اور وہ دم بخود رہ گئی۔

یہ کون ہے؟ آئینے میں کس کی شکل نظر آ رہی ہے۔ وہ اجنبی تو نہیں ہو سکتا ہے بچپنی رات

اسٹور روم میں بند کر دیا گیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے جس نے اسے اُس موزی سے نجات دلائی تھی۔ وہ تو برا خوب رو تھا.... یہ کون ہے.... پھولی ہوئی ناک والا.... گھنی موچھیں خم کھا کر نپلے ہو نہ کو بھی پار کر چکی تھیں۔

”مجھے پہچانا....؟“ اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”مم.... تم.... یعنی کہ....!“

”نہیں پہچانا.... جب تم نہیں پہچان سکتی تو دوسرا کیا پہچانیں گے۔“

”تم کون ہو....!“ صیحہ پر دوسرا بار خوف مسلط ہو گیا۔

”میں وہی اختر ہوں جس نے رات چار پاؤ کے نیچے گذاری تھی۔“

”لیکن یہ ناک.... یہ موچھیں۔“

”بھیک مانگنے کے لئے ایک آدم شعبدہ جیب میں پڑاہی رہتا ہے۔ تم نہ مل جاتیں اس طرح تو اسٹیشن سے سامان لانے کے لئے بھیک ہی تو مانگنی پڑتی۔ اس طرح آسانی ہوتی ایک گلی میں

بھیک مانگی اور دوسرا گلی میں اکڑتا پھرا.... بہت جانا بھی اختر صاحب جا رہے ہیں۔“

”بہت تیز چلا رہے ہو گاڑی۔“

”فکر نہ کرو۔“

”تو تم اس طرح بھیں بدلت کر ہمارے یہاں ملازمت کرو گے۔“

”بالکل بالکل....!“

”اگر کبھی می کوشہ ہو گیا تو۔“

”نہیں ہو گا.... ہو جائے تو میرے منہ پر ٹھوک دیتے۔“

”میں سخت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔“

”پڑی رہو۔“ اس نے لاپرواںی سے کہا۔

”اس کے لئے نہیں۔“ وہ جھنگلا گئی۔ ”میں تو اس کے لئے کہہ رہی تھی جسے مار پیٹ آئے

ہو۔ اگر مر گیا تو کیا ہو گا۔“

”مسلمان ہو تو دفن کر دیا جائے گا۔ ہندو ہو گا تو شہشان کے حوالے۔“

”اوہ.... تم سمجھتے کیوں نہیں.... یہ بہت رُا ہو....!“

”تو کیا وہ سب مذاق تھا.... وہ ریو الور.... وہ چاقو....!“
 ”پتہ نہیں کیا تھا۔“ صبحہ برا سامنہ بن کر بولی۔
 ”کیا پہلے بھی تعاقب کرتا رہا ہے۔“
 ”میں جب بھی اس طرف نکلتی ہوں وہ ضرور تعاقب کرتا ہے۔“
 ”اوہ.... تب توٹھیک ہے۔ تم خود ہی اُس کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہو۔“
 ”قطی غلط.... مخفی ضد میں ایسا ہو تارہا ہے.... میں اسے دکھانا چاہتی تھی کہ وہ میرا پکھیں بگاڑ سکتا۔“

”اور نہیں بگاڑ سکا.... کیوں؟“
 ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔“
 ”آئندہ سوچ لیا کرنا۔“
 وہ پکھنہ بولی۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے پوچھا۔ ”تو تم یہ سب کچھ دوسروں کی ضد میں کیا کرتی ہو۔“

”ہاں.... سہی بات ہے۔“

”خبردار مجھے اپنے بیہاں ملازم نہ رکھوائے۔“

صبحہ پس پڑی۔ پھر یک بیک سنجیدہ بھی ہو گئی۔ وہ مستقل طور پر زخمی آدمی کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ اب تو وہ کھلم کھلا دشمنی پر کمر بستہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے اُسے بدنام کرنے کی بھی کوشش کرے۔ اس مار پیٹ کی روپورٹ تو درج کرنے کی بہت نہیں کرے گا اگر ایسا ہوا بھی تو وہ روپورٹ کسی نامعلوم رہبر نہیں کے خلاف ہو گی۔

”پھر کیا ہی میری فوکری کی۔“ کچھ دیر بعد اجنبی نے پوچھا۔

”ہو جائے گی۔“ اُس نے سردہ کی آواز میں کہا اور عقب نما آئینے میں دیکھنے لگی اجنبی کی پھولی ہوئی ناک اور ٹھیک میں تو ایسے بد تیز آدمی۔“

”تو پھر میں سیدھا گھر ہی چلوں تا....!“

”ہاں.... ہاں.... میں کہہ دوں گی راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی اگر یہ آدمی مدد نہ کرتا تو گھر تک نہ پہنچ سکتی۔ تجربہ کار ڈرائیور اور اعلیٰ درجہ کا مکینک ہے۔ بیکار ہے آج کل بیجارہ....“

کیوں نہ اسے ہی ملازم رکھ لیا جائے۔“
 ”بالکل تھیک....!“

”لیکن تم وہی رات والے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔“

”اُن کا حلیہ بھی بدل کر رکھ دوں گا.... تم فکرنا کرو۔“



جوزف ریا جبرائل کو کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔ غصے کے مارے آنکھیں الٹی پڑی تھیں اور ہونٹ معمول سے زیادہ موٹے اور ابھرے ہوئے لگتے تھے۔

”میں کہتی ہوں سکریٹری کو میری آمد کی اطلاع دو۔“ ریا نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

”جاو۔.... چلی جاؤ.... اندر دوسرا لڑکی موجود ہے۔“

”میں کہتا ہے۔“

”آدمیوں کی طرح بات کرو.... ورنہ تمہاری ماں زندگی بھر رہے گی۔“

اسنے میں صدر بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

”اس بد تیز کو سمجھاؤ....!“ ریا اُسے دیکھ کر شیر ہو گئی۔

”سفید کیتا... شاکنہ زندگی سے بیزار ہو گئی ہے تو....!“ جوزف نے اُسکی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”جوڑف....!“ صدر نے اُسے لکارا۔ اور اُس کا پھیلا ہوا تھا جوں کا توں رہ گیا۔

”میں جسمیں مزہ چھاؤں گی۔“ وہ صدر کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے جوزف کو گھونسہ کھا کر بولی۔ لیکن جوزف پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ ہاتھ ابھی تک اُسی

لڑج پھیلا ہوا تھا اور پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

”کیا بات ہے۔“ صدر ریا کی طرف مڑا۔

”تم سے ملنے آئی تھی.... میں تو ایسے بد تیز آدمی....!“

”اُسے چھوڑو.... کیا بات ہے۔“

”اوہ.... ہاں.... سبھی ایک جیسے ہیں۔“ وہ اُس کے کھر درے لہجے کا تبر امان کر بولی۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں.... جوزف ہاتھ نیچے گراو۔“

وطفت اور وازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا اور جوزف دھڑ دھڑ اتنا ہو اندر گھس آیا۔۔۔ ایڑیاں
بجا میں اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے۔۔۔ صدر سچ مجھ چھپلا گیا۔۔۔
”اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔۔۔“

”بابر جاؤ۔۔۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ میں باڈی گارڈ ہوں۔۔۔
”بابر جھرو۔۔۔“ صدر گرج کر بولا۔

”ہرگز نہیں جتاب۔۔۔ میں پاس کو جواب دہ ہوں۔۔۔“

”کس پاس کی بات کر رہا ہے۔۔۔“ رینا نے آہتہ سے پوچھا۔

”رانا صاحب کی۔۔۔“ صدر نے بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

اُسے حقیقتاً غصہ آگیا تھا کیونکہ جوزف کے ”باس“ سے عمران مراد تھی۔۔۔ کیا عمران نے اُسے اس قسم کی چوکیداری پر لگایا ہے؟ وہ سوچتا اور تاؤ کھاتا رہا۔ اس سے پہلے تو اس نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

”تم کیا سوچنے لگے۔۔۔“ رینا بولی۔ ”کیا تم اس سے خائف ہو۔۔۔“

”تم غلط سمجھیں۔۔۔ یہ مجھے اپنے پال توکتے کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔۔۔“ صدر کے بولنے سے پہلے یعنی جوزف بول پڑا۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہی۔۔۔“ رینا نے چھپلا کر کہا۔

”یہاں تم میرے علاوہ اور کسی سے بات نہیں کر سکتیں۔۔۔“

”تم سن رہے ہو۔۔۔“ وہ جھلا کر صدر کی طرف مڑی۔ جو سر جھکائے سگریٹ سلاگا رہا تھا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے اختیارات کتنے وسیع ہیں۔۔۔“

”بیبا مطلب۔۔۔!“

”رانا صاحب ایک خارش زدہ کتے کو بھی مجھ پر حاکم ہا سکتے ہیں۔۔۔“

”تب تو یہ ملازمت میرے لئے قطعی فضول ہو گی۔۔۔“

”ہاں ہاں۔۔۔ بالکل فضول ہو گی۔ تم جاؤ یہاں سے۔۔۔“ جوزف ہاتھ ہلا کر بولا۔

جوزف مشین انداز میں ”مشین شن“ ہو گیا اور رینا کو بے ساختہ بھی آگئی۔ جوزف صرف انگھوں کو جنبش دے کر گھوڑا تارہ۔۔۔

”آؤ۔۔۔!“ صدر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔۔۔

رینا اندر داخل ہوئی۔ صدر اس کے پیچے تھا۔۔۔

”یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔“ وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔۔۔

”کس کی تلاش ہے۔۔۔“

”کسی کی بھی نہیں۔۔۔ اس کا لئے نہ کھاتا۔۔۔ اندر نہیں جا سکتیں پہلے سے ایک لڑکی موجود ہے۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ وہ میری سیکریٹری کے بارے میں کہہ رہا ہو گا۔۔۔“

”تمہاری سیکریٹری۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔ یہاں تو سیکریٹریوں کا جاں بچا ہوا ہے۔۔۔ میں براور است رانا صاحب کا سیکریٹری ہوں۔۔۔ وہ میری سیکریٹری ہے۔۔۔ اور اس کا سیکریٹری فی الحال چھٹی پر ہے چونکہ وہ چھٹی پر ہے۔۔۔ اس لئے اس کے سیکریٹری کی بھی چھٹی ہی سمجھو اور اس کے بعد کے بھی بقیہ سیکریٹری مونج کر رہے ہیں۔۔۔ بیٹھو۔۔۔ تم کھڑی کیوں ہو۔۔۔“

”تو گویا میں براور است رانا صاحب کی سیکریٹری نہ بن سکوں گی۔۔۔“

”نا ممکن۔۔۔ قطعی ناممکن۔۔۔ تو آپ مجھ پر دانت لگائے بیٹھی ہیں۔۔۔“

”میا یہ ضروری ہے کہ براور است ایک ہی سیکریٹری ہو۔۔۔“

”محترمہ۔۔۔ محترمہ۔۔۔ آپ براور است ہمارے معاملات میں دخیل ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔۔۔“

”نہ جانے کیوں اپنا بیت محسوس کرتی ہوں۔۔۔“

”ذرا آہستہ۔۔۔!“ صدر نے چاروں طرف چور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔

”کیا مطلب۔۔۔!“

”مم۔۔۔ میری سیکریٹری۔۔۔!“ اس کا لہجہ خوفزدہ تھا۔

”اُرے۔۔۔ کیوں؟ اوہ تھی۔۔۔ یہ بات ہے۔ سیکریٹری کیوں۔۔۔ مسٹر لیں ہو گی۔۔۔“

”تمہاری۔۔۔“

ذرا ہی سی دیر میں مکاہزی کے سارے گر آزمائے اور بُری طرح ہائپنے لگ۔
”بُس کرو ماشر....!“ جوزف بُراسامہ بنا کر بولا۔ ”اس قسم کی ورزشیں میرانشہ اکھاڑ دیتی
ہیں.... چھ بو تکوں میں پورا نہیں ہوتا۔“
”نکل جاؤ.... نکلو.... خبیث....!“ صدر دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہڑا۔
جوزف دانت نکالے ہوئے دروازہ کی طرف مڑ گیا۔



اس بارہہ سب الگ الگ ایک دوسرے کی گمراہی کر رہے تھے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں
تھی۔ انہیں ایکس ٹو سے ہدایات ہی اس قسم کی ملی تھیں۔
صدر جوزف اور ساجدہ حبیب کی گمراہی کیپن خاور اور سار جنٹ نعمانی کے ذمے تھی۔ لیکن
صدر وغیرہ کو اس کا علم نہیں تھا۔
وہ دونوں بھی ہوٹل رو انوہی میں مقیم تھے۔ ایرانی تاجروں کے روپ میں۔ میک اپ ایسا تھا
کہ پیچاں لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ صدر وغیرہ نے متعدد بار انہیں دیکھا ہو گا لیکن پیچاں نہیں
سکتے تھے۔
اس وقت نعمانی اور خاور اس ٹیلی فون آپریٹر کی گمراہی کر رہے تھے جس نے صدر سے مل
بیٹھتا چاہا تھا۔
وہ ڈیلوٹی پر نہیں تھی۔ سر شام ایک آدمی اسے رو انو سے باہر لے گیا تھا۔ یہ دونوں اس کا
تعاقب کرتے ہوئے ہوٹل شہوار میں آئے تھے۔
ریٹا اور وہ آدمی ایک ایسی میز کے گرد بیٹھے تھے جہاں ایک محمر اور بار عب آدمی پہلے سے
موجود تھا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر ان کا استقبال نہیں کیا تھا بلکہ ایسے انداز میں بیٹھا رہا تھا جیسے وہ
خود ہی ان سے اپنا احترام کرنے کا عادی ہو۔
خاور اور نعمانی ان کے قریب ہی کی ایک میز کے گرد جا بیٹھے۔ دونوں میزوں کا درمیانی
فاصلہ اتنا ہی تھا کہ وہ ان کی نگتو بہ آسانی سن سکتے۔
”رپورٹ....!“ محمر آدمی نے بھراہی ہوئی آواز میں کہا۔

”حد ہوتی ہے۔“ ریٹا پیر پیچ کر چینا تھی۔ ”میں تمہیں دیکھ لوں گی کالے خبیث!“
جواب میں جوزف نے بھی اسے کیتا کی بچی کے خطاب سے نوازا اور وہ تیزی سے باہر نکل
گئی۔ صدر جوزف کو قہر آلود نظروں سے گھوڑے جا رہا تھا۔ جوزف بھی واپس جانے کے لئے
”اباؤٹ ٹرن“ ہوا۔

”ٹھہر...!“ صدر غرایا اور جوزف آگے بڑھنے کی بجائے وہیں ٹھہم گیا۔
”یہ کیا حرکت تھی تمہاری۔“ صدر نے پوچھا۔
”باس کا حکم...!“ جوزف نے اس کی طرف مڑے بغیر جواب دیا۔
”بکواس ہے۔“

”یقین کرو یا نہ کرو۔ میں مجبور ہوں۔“
”لیکا کہا گیا تھا تم سے۔“
”یہی کہ کسی اجنبی لڑکی کو تمہارے قریب نہ آنے دوں۔“
”میں اپنی تگہداشت خود کر سکتا ہوں۔“
”میں بھی جانتا ہوں۔“
”پھر....؟“

”باس کا حکم...!“
”یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔ تم اب اسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔“
”دوسری بار اس سے بھی زیادہ بُراؤ یہ اختیار کروں گا۔ وہ تمہارے قریب آکر تو دیکھے۔“
”میں تمہارے جڑے توڑوں گا۔“
”وہ پہلے ہی سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک بار اور کہی.... اکھڑے جڑوں کو دوبارہ سٹ
کر لینے کی مشتی ہے مجھے۔“

صدر کاغذ کے مارے بُر احوال ہو گیا۔
”ارے تو خود کو کیا سمجھتا ہے۔“ وہ گھونسہ تان کر اس کی طرف جھپٹا اور جوزف نے بڑے
خاکسارانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔ وہ کچھ اس طرح صدر کے حملے روکتا رہا جیسے کوئی محمر
آدمی کسی بچے کو کھلا رہا ہو۔ خود اس نے ایک بار بھی صدر پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

”اُسے ختم کرو۔“ م عمر آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ زندہ نہیں بچے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ پولیس کو کسی قسم کا پیان نہ دینے پائے۔“
”تیباً میں اسے بھی دیکھوں؟“ ریٹانے پوچھا۔
”نہیں اسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم لڑکی کو شوش کرو۔ کیا وہ آج صبح سماں کی طرف گئی تھی۔“

”اس سے میری معمولی سی جان پیپان ہے.... میں بچ کہتی ہوں۔ اگر میری اسکیم کے مطابق کام ہوا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ میں اسے باسافی راہ پر لے آتی۔ لیکن ایم۔ ناگین میں جو غالباً اس کے پنگلے کے سامنے والی عمارت میں رہتا تھا یہ کام اپنے ذمہ لے بیٹھا۔“
”بُس.... وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اب جاؤ۔ غالباً انہیں لڑکی سے تمہاری اس حد تک جان بیچان ہے کہ تم اس کے گھر بھی جاسکو۔“
”نہیں بھی ہے تو میں اس کے لئے جواز بیند اکر دیں گی۔“
خاور کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ رہا تھا۔

”نعمانی تم لڑکی کا تعاقب کرو.... میں اس آدمی کو دیکھوں گا۔“

نعمانی نے نکھلوں سے خیر پڑھی اور اٹھتا ہوا خاور سے بولا۔ ”چھادوست اب اجازت دو۔ میں کل تم سے ضرور ملوں گا۔“

دونوں نے مصافی کیا اور نعمانی ریٹا کے باہر نکلنے سے پہلے ہی فٹ پا تھہ پر آت گیا۔ خاور نہیں بیٹھا رہا۔ م عمر آدمی اب اپنی میز پر تھا تھا۔ یہ ضرور تھا لیکن صحت قابل روٹک تھی۔ کوٹ کی آسٹنیوں کے اوپر سے بھی بازوؤں کی مچھلوں کی ہکڑن واضح نظر آتی تھی۔ چرے پر رعب تھا بس ایسا ہی لگتا تھا جیسے سر کے بال قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔ ڈاڑھی اور موچھوں سے بے نیاز چہرہ اتنا پچنا نظر آتا تھا جیسے اس کے رکھ رکھا پر دقت کا کافی حصہ صرف کیا جاتا ہو۔ آنکھوں میں بجلیاں کی کونڈتی محسوس ہوتی تھیں۔ درست عموماً اس عمر کے لوگوں کی آنکھیں کسی قدر دھندا ہی جاتی ہیں۔ خواہ صحت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا شیم واںگھوں سے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ داؤتوں میں دباؤ سا گار شاید بچھ چکا تھا۔ خاور نے سگریٹ سلاٹی اور سوچنے لگا کہ کچھ طلب کرے یا نہیں۔ م عمر آدمی اپنی میز پر تھا

”وہ بیگرو.... ہمارے درمیان حاکل ہو رہا ہے۔“ ریٹا بولی۔
”تم نے اس آدمی کا نام معلوم کیا یا نہیں۔“ م عمر آدمی نے پوچھا۔
”جب ہاں.... اس کا نام صدر سعید ہے.... اور اس کی سیکریٹری کا نام نہمانہ ہے۔“
”اور وہ بیگرو.... جوزف ہے! کیوں....؟“
”جب ہاں.... وہ اسے جوزف ہی کے نام سے پکارتا ہے۔“
”یہاں تک تور نہ ہے۔ لیکن اس کے مالک کا نام صدر سعید کی بجائے علی عمران ہونا چاہئے۔ مجھے سیکھ اطلاع ہی ہے۔“ م عمر آدمی خاموش ہو کر سگار سلاکنے لگا۔
”لیکن صدر کہہ رہا تھا کہ ان کے مالک کا نام تھور علی ہے۔“
”ہوں....!“ م عمر آدمی سگار داؤتوں میں دبائے ہوئے کسی سوچ میں گم ہو گیا۔
ٹھوڑی دیر بعد اس نے کوٹ کی اندر ورنی جیب میں ہاتھ ڈال کر پس نکلا اور اس میں سے دو تصویریں نکال کر ریٹا کے سامنے ڈال دیں۔
وہ انہیں غور سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”نہیں ان دونوں میں سے تو کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں دکھائی دیا۔“

م عمر آدمی نے ایک تصویر پر انگلی رکھ کر کہا۔ ”یہ علی عمران ہے۔“
پھر دوسرا کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”یہ ساجدہ حسیب ہے۔ جس نے انجمن کے مقابلے خلاف کچھ کام کئے ہیں اور اب عمران کے ساتھ ہے۔“
”میں دیکھوں گی.... ابھی تک تو.... یہ دونوں نہیں دکھائی دیتے۔“
”لیکن یہ جوزف جس کی تصویر تم پہلے ہی شاخت کر چکی ہو۔ عمران ہی کا آدمی ہے۔“
”آپ یہ دونوں تصویریں میرے پاس رہنے دیجئے۔ میں دیکھ لوں گی۔“
”رکھ لو.... دوسرا بات.... ایم ناگین میں آج صبح سول ہیئتال میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کی حالت بہتر نہیں.... وہ سماں کے دیرانے میں زخمی اور بیہوش پڑا پیا گیا تھا۔“
”اوہ....!“ ریٹا کے چرے پر ریٹانی کے آثار نظر آئے۔ ”میں سمجھ گئی۔ وہ لڑکی سماں ہی کی طرف تھا جیسا کرتی تھی۔ ایم ناگین میں نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کی خالافت میں ہمیشہ سے کرتی رہی ہوں۔“

بہت معزز ہستی نے وہاں قدم رکھا ہو..... جس سے بھی اس کی نظر ملتی بڑے ادب سے سلام کرتا طلب کی ہوتی چیزیں میز پر لگا رہا ہو۔ پھر وہ کیسے اس کا تعاقب کر سکے گا۔ اپاںک اس کا اٹھنا کسی طرح بھی مناسب نہ ہو گا۔
لگڑے آدمی کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بُشکل پینتیس سال کا رہا ہو گا۔ خدو خال دلکش تھے۔ صحت بھی اچھی تھی۔ بہر حال اُسے بیساکھیوں کی مرد سے چلے دیکھ کر افسوس ہوتا تھا۔ دونوں کے درمیان چدر سکی باشیں ہوئیں۔ پھر عمر آدمی نے کہا۔ ”حالات کسی طرح بھی قابو میں نہیں آ رہے۔“

”میں پہلے ہی کہتا تھا.....؟“ لگڑے نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔
”آہ..... ہم جس بات کا بھی عہد کرتے ہیں....!“
”ختم بھی کرو....!“ لگڑا ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے..... ہمارا ایک آدمی اس وقت ہسپتال میں پڑا ایڈیاں رگڑ رہا ہے۔ سچنے کی امید نہیں..... پسلیوں کی کثی ہڈیاں ٹوٹ کر پھیپھڑوں میں گھس گئی ہیں۔“
”بھلا یہ کیسے ہوا.....؟“ لگڑے نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔
”خداجانے..... لیکن یہ سلسلہ وہی تھا۔“
”سلسلہ وہی تھا.....!“ لگڑے نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔

عمر آدمی کے چہرے پر جھنجڑاہٹ کے آثار تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی وجہ سے اظہار جیل نہیں کر سکتا۔ لگڑا اپنٹا ہی رہا۔

”آپ کیا پیش گے۔“ بالآخر عمر آدمی نے غالباً اس کی نہ رکنے والی بُنی سے اکتا کر پوچھا۔
”اس آدمی کا جام صحت جو سول ہسپتال میں دم توڑ رہا ہے..... یار کیوں مجھے انو ہنانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”مت یقین کیجئے... لیکن ہم نے جس کام کا پیرہا اٹھایا ہے اُسے سمجھیں کو پہنچا کر ہی دم لیں گے۔“
”مجھے جلدی ہے۔“ لگڑے نے بہت سمجھیدہ ہو کر کہا۔
”جلد ہی ہو گا.... میرا خیال ہے کہ طریق کار میں کوئی خالی رہ جانے کی بنا پر اتنی دیر ہوئی ہے۔“

لگڑا پکھنہ ہوا۔ عمر آدمی نے دیش کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا اور وہ موندانہ انداز میں سر کو جھنس دے کر چلا گیا۔

ہے ضروری نہیں کہ وہ وہاں بیٹھا ہی رہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت اٹھے جب دیش خود اُس کی دوسری طرف بیاں بیکار بیٹھنا اور کچھ دیز ب بعد یو نبی رخصت ہو جانا بھی ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے اس آدمی نے خود اپنی مگردنی کے لئے بھی کسی کو مقرر کر رکھا ہو۔ پھر ایسی صورت میں جھٹا رہنا کھیل بگاڑ دینے کے مترادف ہو گا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک تدبیر سمجھ میں آگئی۔ اُس نے جلدی جلدی میتو پر نظر دوڑا کر کھانے کی کچھ چیزیں منتخب کیں اور اشارے سے دیش کو بلا کر کہا۔ ”یہ چیزیں پیک کر دو.... میں بہاں کچھ دیر پیٹھ کر اخبار دیکھوں گا۔“

”بہت بہتر جناب عالی۔“

ویش چلا گیا اور صدر نے دوسری خالی میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھایا۔

عمر آدمی اب بھی اُسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا جس میں کچھ دیر پہلے نظر آیا تھا۔ کچھ دیر بعد دیش پیک کیا ہوا سامنے میز پر رکھ کر چلا گیا۔ خاور نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر اُس سے کہا تھا کہ وہ بل لانے میں دیر نہ کرے۔

وہ اخبار دیکھا رہا۔ دیش ہدایت جلدی ہی مل لے آیا۔ دام چکانے کے بعد وہ اخبار پر اسی طرح جھک پڑا جیسے کوئی بہت اہم چیز پڑھتا رہا تھا اور دیش کی دخل اندازی گراں گزری ہو۔

عمر آدمی اب میز پر جھکا ہوا تازہ سگار سلگا رہا تھا۔

خاور کے اندازے کے مطابق شاید وہ کسی کا منتظر تھا۔

وہ اور زیادہ اٹھا کے ساتھ اخبار پر جھک پڑا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ

عمر آدمی ایک لگڑے کے استقبال کے لئے بُنی کرسی سے اٹھتا ہوا نظر آیا۔ یہ لگڑا بیساکھیوں کی مد سے چل رہا تھا اور بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ ہال کی پر سکون فضا میں گونج رہی تھی.... لباس کے رکھ رکھاؤ سے باسلیہ اور ذی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

عمر آدمی نے سہارا دے کر اُسے کری پر بٹھایا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُس لگڑے کا بے حد احترام کرتا ہو.... ہوشیار کا عملہ بھی کچھ اس طرح چاق و چوبند نظر آنے لگا تھا جیسے کسی

بھی روشی پہلتی اور خود برآمدے میں بیٹھی نئے ڈرائیور کو غور سے دیکھ رہی تھی جو سامنے والے کی میز کے قریب آیا۔... نرے میں شپنگ کی بوتل، سوڈے کاسا بیفن اور دو گلاس تھے۔

روش پر گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ بے حد چالاک معلوم ہوتا ہے۔ دوپہر ہی سے گاڑی میں لگے گئے رات کر دی۔ اُس کے گھر والوں پر اپنی مستعدی کا سکھ جانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ حقیقتاً کون ہے؟ اُس کا بہر و پیارا پن تختیر کر دینے والا تھا۔ رات اختر بنے تھے۔ اس وقت صورت بدل کر رہ گئی ہے اور پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہو رہا ہے اس کے چہرے پر وہ پھولی ہوئی ناک اور گنجان موچھیں قلعی نقلی نہیں لگتی تھیں۔... ماں سے جب اُس نے اس کی مشاہی کا تذکرہ کیا تھا تو وہ فوراً انی اُسے ملاز مت دیجئے پر آمادہ ہو گئی تھیں اور اُس مکار نے بھی خوب ہی باتیں بیانی تھیں۔ کہنے لگا۔ ”نہ پیسوں کی پرواہ ہے اور نہ کھانے کی... ایسی گھنگوئی کی جائے مجھ سے کہ میں خود کو ازالی غلام محسوس کرنے لگوں۔ عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ بس پڑھنے لکھنے میں ہی نہیں لگتا تھا اس لئے یہ درگست بنی ہے۔ اگر آپ حوالے چاہیں تو بہت بڑے بڑے آدمیوں کے حوالے دے سکتا ہوں جن کے ساتھ رہو گا ہوں۔“

اور پھر اُس نے سب سے پہلے ہوم سیکریٹری سر سلطان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

”اُن سے پوچھ لیجئے کہ عبد المنان کیسا ڈرائیور ہے اور کیسا آدمی ہے۔“

ماں اس حوالے پر کافی مرعوب ہوئی تھیں اور انہوں نے چاہا تھا کہ تختہ کا مسئلہ بھی طے کر لیں.... لیکن وہ بھی کھارہ تھا جو مناسب سمجھے گا دے دیجئے گا۔ مجھے تو دو وقت کی روٹی اور رہنے کو جگد چاہئے پھر یہ معاملہ باپ کی واپسی تک کے لئے ہو گیا تھا۔

وہ سوچتی اور اُسے گھورتی رہی جو ایک تکلی کو ہونوں میں دبا کر پھوک رہا تھا۔ ”اے عبد المنان!... اور ہر آؤ۔“ دفعتاً صیحہ نے اُسے مخاطب کیا۔

اور وہ کسی پا توکتے کی طرح اُس کی طرف چلا آیا۔

”اب فتح بھی ہو گایہ کھڑاگ!... یا نہیں۔“ اُس نے کسی قدر جھا کر کہا۔

”لبی جی!... ہم کیا کرے۔“ وہ آئیں سے ناک گھستا ہوا بولا۔ ”پچھلے ڈرائیور نے برا کھاڑ کر کھا ہے۔ سلف کا بیش بالکل خلاص ہو چکا ہے۔ نیا بیش بیٹھا تو پہنچل باڑی کرنی پڑے گی۔“

”مرے تو تم مستری بھی ہو۔“

خارو کی نظر انہیں پر مجھی رہی... تھوڑی دیر بعد ویژہ ہاتھوں پر ایک نرے اٹھائے ہوئے ان کی میز کے قریب آیا۔... نرے میں شپنگ کی بوتل، سوڈے کاسا بیفن اور دو گلاس تھے۔

”مہر آدمی نے بوتل کی سیل توڑتے ہوئے لنگڑے سے کہا۔“ آپ کو قطعی مطمین رہنا چاہا ہے۔ ”یقیناً... لیکن اگر اس سے پہلے ہی کوئی کامیاب ہو گیا تو۔“

”اُس پر بھی ہماری نظر ہے.... ہم کپا کام نہیں کرتے۔“ ”اچھا اگر کوئی کامیاب ہی ہو گیا تو۔“

”اُمین آپ کی رقم پائی کا حساب کر کے واپس کر دے گی۔“

”مجھے رقم نہیں چاہے۔“ لنگڑے نے کسی قدر غصے میں کہا۔ ”اور جو پچھے چاہو دے سکتا ہوں۔“

”مجھے علم ہے چتاب... آپ کی مالی حیثیت کس سے پوچھیدہ ہے۔ بس تھوڑا وقت اور دیکھئے۔“ مہر آدمی نے کہا۔ لنگڑا اس اسماں بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”مہر آدمی نے گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی انٹیلی اور یکے بعد دیگرے اُن میں سوچے کی دھار مارتا رہا۔

خارو سوچ رہا تھا دیکھو ان میں سے کب کون امتحا ہے۔ شہر کے کسی ذی حیثیت لنگڑے کو ڈھونڈنے کا مشکل کام نہ ہوتا۔ لیکن اگر مہر آدمی نظر دوں سے او جمل ہو جاتا تو دوبارہ سراغ ملنے میں یقیناً دشواری پیش آتی۔

تقریباً پاؤں گھنٹے تک ان کا شغل جاری رہا۔... پھر لنگڑا اٹھ گیا تھا۔ لیکن مہر آدمی جما بیٹھا رہا۔... آدمی بوتل سے کچھ کم شراب باتی پی گی تھی۔ مہر آدمی نے بوتل پر ڈھکن جما کر اسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ خارو سمجھا شاید اب اٹھے گا لیکن وہ تو کری کی پشت سے مک کر پھر نیا سگار سلاگار رہا تھا۔ اُس نے سوچا اب خود اس کا مزید بیٹھنا دوسروں کو شبہات ہی کی طرف لے جاسکتا ہے۔ لہذا اٹھنا چاہئے۔ باہر کھیں رک کر اُس کی آمد کا منتظر رہے گا۔

اُس نے ہوٹل سے خریدی ہوئی چیزوں کیلئے اور اخبار کو وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔

۞

رات خشکوار تھی.... صیحہ نے برآمدے کے وہ بلب روشن کر دیئے تھے جن سے لان پر

جر اٹھل نام تھا۔ ریڈ کراس سٹیم کے ہمدردوں میں سے تھی اور اس کے لئے فذ اکھا کرنے میں کارکنوں کو مدد دیتی تھی۔

صیحہ نے اس کے پھرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جملے آنارد دیکھے۔
”بیلو صیحہ.... یہ تم ہو...!“ وہ قریب پہنچ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہوئی چکی۔ ”میا معلوم تھا کہ اس طرح ملاقات ہوگی۔“

”او... او... بیلو...؟“

”ضرور بیٹھوں گی.... بہت تھک گئی ہوں۔“ وہ کری ٹھیک کر بیٹھی ہوئی یوں۔ ”وپھر سے ان اطراف کے چکر لگ رہے ہیں۔“

”کیوں...؟“

”ارے وہی مز آر تھر کا چکر ہے ریڈ کراس والا.... فذ جمع کرنے نکلے ہیں۔“
”کافی پیوں گی یا جائے۔“

”کچھ بھی نہیں.... تم تو یہ بتاؤ کہ کتنا دے رہی ہو۔“

”کافی پیوں.... وہ پھر سوچیں گے۔“ صیحہ نے کہا اور ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہا۔ ”کافی کئے کہہ دو۔“

”جی اچھا....!“ ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا اور چلا گیا۔

”کہو کہی گذر رہی ہے۔“ ریٹانے پوچھا۔

”کوئی خاص نہیں۔ یہاں بوریت کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے۔“

”کیوں.... کیا اب ڈرائیور نہیں کرتیں۔ شاہد ایک بار تم نے بتایا تھا کہ اکثر صبح ہی صبح دو رنگ تھا انکل جاتی ہو۔“

”وہ.... تو.... ہاں.... بب.... بہت دونوں سے ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔“ صیحہ نے کسی لئدر پریشانی کے ساتھ کہا کیونکہ اچانک آج کا واقعہ پھر یاد آگیا تھا۔

”ضرور جایا کرو.... اس قسم کی تبدیلیاں سخت کے لئے مفید ہیں۔“

”اب تو وقت ہی نہیں ملتا۔“

”کہو تو میں بھی ساتھ چلا کروں۔“

”ہاں ہاں بی بی جی.... اب یہ گاڑی کسی درکشاپ میں نہیں جائے گی۔“
”کمال کے آدمی ہو بھی۔“

”ارے ہم کیا.... ہمارا باپ تو آنکھوں پر پٹی باندھ کر انجن اور ہاں کرتا تھا۔“

”ہاں.... ہاں ایسی ہی بات ہوگی۔“ صیحہ نے اوچی آواز میں کہا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ”میں نے سنا ہے اس کی حالت بہت خراب ہے۔“

”مرنے دو....!“ اس نے لاپرواں سے شانوں کو جینش دی۔

”میں بہت پریشان ہوں۔ اگر اس نے پولیس کو بیان دے دیا تو۔“

”دیکھا جائے گا.... اس نے مجھے اس حلیہ میں نہیں دیکھا تھا۔“

”مجھے تو دیکھا تھا۔ کیا وہ یہ نہ سمجھ گیا ہو گا کہ تم میرے ہی ساتھ آئے تھے۔“

”سچھنے دو....!“

”ارے میری بدناہی....!“

”بدناہی....!“ وہ طنزیہ لمحے میں بولا۔ ”بدناہی کی پرواہ ہوتی تو تم کسی اختر کا بھیڑا کر تیں۔“

”ارے.... اپنا ہجہ ٹھیک کرو.... عبد المنان....!“

”بہت بہتر مس صاحب۔“

”تم آخر ہو کیا بلاء۔“

”ڈرائیور مس صاحب.... فی الحال۔“

”میں سوچتی ہوں کہیں تم ہم لوگوں کے ساتھ کوئی فراہمہ کرو۔“

”بس سوچتی رہئے.... اس وقت تک جب تک کہ میں کوئی فراہمہ کر بیٹھوں۔“

”کیا مطلب....?“

”آپ بس سوچتی ہی رہ جائے گا.... اوہ.... وہ دیکھئے.... کوئی میم صاحب آرہی ہیں۔“

صیحہ چونکہ کرچاٹ کی طرف مڑی.... چاٹک پر کوئی سفید فام عورت تھی۔ سفید بلا دوز اور نارنجی اسکرٹ میں ملبوس تھی۔

وہ برآمدے کی طرف بڑھتی رہی۔ کچھ اور قریب آئی تو صیحہ نے اسے پہچان لیا۔ اکثر ریڈ کراس کے درائی کرو گراموں کے سلسلے میں پہلے بھی اس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ریٹا

”خواہ خواہ باور پر جی پر نہ الٹ پڑتا۔ میں تمہیں وہاں سے ہٹا کر ایک بات کہنا چاہتا تھا۔“

”تم آدمی ہو یا گھن چکر...!“ صبیحہ کو تاؤ آگیا۔

”سن لو میری بات ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔“ وہ شیطان کی خالہ تم سے صرف یہ معلوم کرنے آئی ہے کہ تم نے آج صبح ڈرائیور کی تھی یا نہیں۔“

”تم کیا جانو... ہم انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔“

”فرانسیسی اور جرمن میں بھی کر کے دیکھ لو... اگر وہ سمجھ لوں تو موچھیں اکھلائیں... کیا مجھی ہو ہاں...!“

”وہ کیوں اعتراف کرانا چاہتی ہے۔“

”تاتا ہوں... پہلے تم یہ بتاؤ کہ اسے کب سے جانتی ہوں۔“

”مرصد سے جانتی ہوں لیکن وہ میرے گھر پہنچا بار آئی ہے۔“

”آج بھی نہ کئی اگر وہ ادھر پہنچنے آتا۔“

”تو کیا... تو کیا... اس کا تعلق تھی پولیس سے بھی ہو سکتا ہے؟“

”میں تو بھی سمجھتا ہوں۔“

”پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”ہرگز اعتراف نہ کرنا کہ تم آج صبح گاڑی لے کر گئی تھیں۔“

”اور... اور... کافی۔“

”تیار ہو رہی ہے... میں اب جاؤ... یا اور پی ٹوکری فرشتے کی اوپر معلوم ہوتا ہے۔“

”تو تم بھن ہنانے کے لئے مجھے اور مرا لے تھے۔“

”بالکل... بالکل... اب جاؤ... میں کچھ دیر تھا رہی تالی ماں کو سن اخبارہ سو ستاون کے خود پر کشتری سناؤں گا۔“

”صبیحہ سوچ میں ڈوبی ہوئی بھروسیں والیں آگئی جہاں ریساں کی منتظر تھی۔“

”کتنے کی رسید کاٹوں؟“ ریضا نے دشمنی بیک سے رسید بک نکالتے ہوئے پوچھا۔

”پیسے لینے تھیں اگئی تھیں۔ میرا یا وہ پی سخت نالائق اور کام چور ہے۔ اُس نے کافی تیار کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ رہا تھا کہ رات کو کافی پینے سے ملیرا ہو جاتا ہے۔“

”مشکل ہے... پیاپا نے پانندگی لگادی ہے۔ پھر اب ڈرائیور کو کون ساتھ بٹھائے پھرے۔“

”مجھے اپنے پیاپا سے ملاو... شاید میں ان سے کچھ زیادہ وصول کر سکوں۔“

”وہ تو پچھلے ہفتے دورے پر گئے تھے ابھی تک واپس نہیں آئے۔“

”اوہ... تب تو آزادی ہے... چلوکل صبح چلیں۔“

”اور می جو ہیں۔“

”وہ کیا کریں گی۔“

”پیاپا سے کئی گناہ زیادہ خونخوار ہیں۔“

”اُن سے ملاو۔“

”اس وقت تو مشکل ہے۔ وہ عبادت کر رہی ہوں گی۔“

”بہت ڈریتی ہو والدین سے۔“

”ڈرنا ہی چاہئے... والدین کا خوف ہمارے پھر کا جزو لازم ہے۔“

”بومت... تم آج ہی گاڑی لے کر حسب عادت ویرانے کی طرف نکل گئی ہو گی۔ کیونکہ میدان صاف تھا۔“

”ہم لوگ والدین کو دھوکا دینا را سمجھتے ہیں۔“

”اچھا نہیں گئی تھیں۔“

”ہرگز نہیں۔“

”میں یقین نہیں کر سکتی۔“

قبل اس کے کہ صبیحہ کچھ کھنی ڈرائیور کی آواز سن کر چونکہ بڑی جو کہہ رہا تھا ”پاگل ہو گیا ہے... کہہ رہا ہے ہرگز نہ بناوں گا کافی... پینا ہو تو چاکے پیش۔“

”کیا مطلب...؟“

”مطلوب بھی اُسی سے پوچھئے گا... میں کیا جاؤں۔“

”ٹھہرو... میں دیکھتی ہوں۔“ صبیحہ نے کہا اور ریسا سے انگریزی میں بولی ”ٹھہرو میں ابھی آئی۔“

”وہ تیزی سے صدر دروازے سے گذر گئی۔ پھر کچن کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ڈرائیور کی آواز سن کر رک جانا پڑا۔“

”میں بہت پریشان ہوں اختر...!“ صبیحہ رومال سے چہرے کا پینہ خلک کرتی ہوئی بولی۔

”مجھ سے زیادہ نہ ہوگی۔“

”اوه... تواب تمہیں پریشانی ہے۔“

”بالکل... تمہاری تانی مجھے زندہ نہ رہنے دیں گی... کہنے لگیں یہ ٹکوڑا ماری موچھیں کافروں کی سی ہیں... مسلمانوں کو ب ضرور کتر و انی چاہئیں۔“

”بس اسی کی پریشانی۔“ صبیحہ حیرت سے بولی۔

”اور کیا... لب کتر وانے بیٹھا تو تاک سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔“

”ارے اس کی ٹکر نہیں... وہ... جو... وہ جو پوتہ نہیں زندہ بھی ہو یا سرگیا ہو۔“

”نہیں...!“ ڈرائیور نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”وہ لڑکی رنماچ چیخنے پولیس ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بار بار مجھ سے اعتراض کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آج میں ویرانے کی طرف گئی تھی یا نہیں۔“

”پھر تم نے کیا کہا۔“

”اس پر اڑاکی رہی کہ یہ عادت عرصہ ہو اترک کر چکی ہوں۔“

”چلو میں ٹھیک ہے۔“

”لیکن آج چیخ مجھے گھربے نکلتے ہتوں نے دیکھا ہوگا۔“

”پرواہ مت کرو...!“ چھپ اتنی سی چیز تمہارے خلاف ثبوت کے طور پر نہیں پیش کی جا سکتی.... لیں اپنی زبان بند رکھو...!“

”ہوں... اچھا خیر... تم اپنا سامان اٹھیں سے لائے یا نہیں۔“

”موقع کہاں ملا... کہو تواب چلا جاؤں۔“

”ضرور جاؤ... ورنہ آج پھر چھلنگے ہی پر سونا پڑے گا تمہیں۔ بستر کا انتظام نہیں کیا جا سکتا۔“



خاور سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ دیر تک نعمانی کا منتظر رہنے کے بعد اس نے محسوس کیا تھا کہ اب شاید بیٹھے ہی بیٹھے نہیں آجائے۔

”کیا اس گندی موچھوں والے نے بھی اطلاع دی تھی۔“

”ہاں...!“

”وہ بھی تمہارا کوئی ملازم ہے۔“

”ہاں... ڈرائیور ہے۔“

”میں تو اسی گندی موچھے والے کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہ کر سکوں۔“

”پسداپتی اپنی... مجھے اس کی موچھیں ہی تو اچھی لگتی ہیں۔“

”شش.... خیر.... کتنا رے رہی ہو۔“

”دوسرو پے لکھ لو... بیباکی واپسی سے پہلے میری ذاتی مالی حالت بہتر نہیں ہو سکے گی۔“

”اچھی بات ہے۔“ ریٹائر کہا اور رسید بک پر کچھ لکھنے لگی۔ پھر رسید چھاڑ کر اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

”میرا خیال ہے کہ صبح کی سیر میں بکھی نہ کبھی میر اور تمہارا ساتھ ضرور ہو گا۔“

”صبیح پکھنے ہوں۔ اب توچی چیخ اسے سوچنا پڑا تھا کہ آخر دفعہ صبح کی سیر کے پیچے کیوں پڑ گئی ہے۔“

”اچھا تو پھر...!“ ریٹائر ہوئی بولی۔

”بیٹھو... بیٹھو... کافی پلاۓ بغیر نہیں جانے دوں گی۔“

”بہت کام کرنا ہے صبیح...!“

”فکر نہ کو... کام تو ہوتے ہی رہ جے ہیں۔“

”وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم ٹرالی و ہلکیلہ ہوا آگیا۔“

”صبیح نے ریٹائر کے لئے کافی اٹھ لی۔ لیکن اس کی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ بیکھیوں سے

ریٹائر کی طرف دیکھتی اور کافی کی چلکیاں لیتی رہی۔ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ چیخ خیخنے پولیس سے

تعلق رکھتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو آج ہی یہاں کیوں آن مری۔ پہلے کیوں نہیں آئی تھی۔

متعدد بار اس علاقے سے ریڈ کراس کے لئے فنڈ اکٹھا کیا گیا تھا۔

خدا خدا کر کے کافی ختم ہوئی اور ریٹائر رخصت بھی ہو گئی۔ لیکن صبیح وہیں بیٹھی رہی۔ اس

کے پیڑے پر پیٹنے کی نہیں نہیں بوندیں پھوٹ رہی تھیں۔

نیا ڈرائیور گازی گیراج میں بند کر کے تھوڑی دیر بعد اور ہر سے گزری صبیح نے باہم اٹھا کر

اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب آگیا۔

”وہ صرف ایک اجنبی ہے۔ آخر ایکس ٹوہم میں سے کسی کو انچارج کیوں نہیں بناتا۔“
”ختم کرو۔“ خاور جما ہی لے کر بولا۔

”نہیں میں بڑی شدت سے بور ہوتا ہوں اکثر اس مسئلے پر۔“ نعمانی نے تاخوش گوار بیٹھے میں کہا۔



ساجدہ حبیب کو جوزف کی حرکتوں پر غصہ نہیں آتا تھا۔ البتہ صدر پر ہنسی آتی تھی جب وہ جو رف پر دانت پیٹتا تھا۔

جوزف کا معمول تھا کہ جب تک صدر کرے میں رہتا ہو باہر پہرے کے سپاہی کی طرح ”ایٹ اکڑا نظر آتا اور اس کی عدم موجودگی میں ساجدہ حبیب کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا۔ اس وقت بھی صدر کہیں باہر گیا تھا۔ ساجدہ تھا تھی اور جوزف اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر سچا خلاء میں گھوڑے جا رہا تھا۔

ساجدہ سویٹر بن رہی تھی۔ جوزف بھی بھی اس کے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگتا۔ ایک بار ساجدہ نے بھی اُسے اپنے ہاتھوں کی طرف گھوڑتے ہوئے دیکھ لیا اور ہنس کر بولی۔ ”کوئی بدروج اُنہیں منڈلارہی ان ہاتھوں پر۔“

”میں یہ نہیں دیکھ رہا۔“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
”پھر کیا دیکھ رہے ہو۔“

”کچھ بھی نہیں مسکی... اپنا کام کرو۔“
”تم آخر اتنے چڑچڑے اور لکھنے کیوں ہو۔“

”میرے حصے کی خوش مزاجی بھی باس ہی کوں گئی ہے۔“

”اچھا مجھ سے اپنے باس کے بارے میں بتیں کرو۔“ ساجدہ نے اون کا گولا اور سلانیاں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

”میں بتیں کروں۔“

”تم اُس کے سامنے کیوں بھیگی ملی بنتے رہتے ہو۔“

”اکثر انہی خوش مزاج آدمیوں کو بھی غصہ آ جاتا ہے۔“

چھر وہ لیٹھا تھا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا آئے والا نعمانی ہی تھا۔ اُس کی آنکھوں سے تھکلن ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے تھی جو قول سمیت بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

”کیا ہوا...؟“ خاور نے پوچھا۔

”یا رہ کھلا ڈالا اُس کجھت نے۔ پیدل جبل کر ریڈ کراس کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لہذا میں اس کا اندازہ ہی نہ کر سکا کہ اُس کی منزل مقصود کہاں تھی۔ تقریباً یا ڈیڑھ درجن بیکلوں اور کوٹھیوں میں بھی تھی۔ لہذا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کسی لڑکی کا قصہ تھا۔ البتہ ایک بات ہے۔“

”کیا... فراجلدی سے یہ کہاں ختم کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”ایک بیگنے میں مجھے عمران بھی نظر آیا تھا۔ اپنے ریڈی میڈی میک اپ میں تھا۔ یعنی بھی ہوئی موچھیں اور پچھوی ہوئی تاک پلانسک والی۔“

”تب پھر یقین کر لو کہ وہ بیگنے منزل مقصود تھی۔ کون رہتا ہے وہاں...؟“

”ظاہر صدقی ٹی ڈپٹی ٹکٹر...!“

”ہوں...!“

”تم نے کیا کیا...؟“ نعمانی نے پوچھا۔

”وہ مغرب آدمی یہاں کا ایک کامیاب ترین ایڈ کیٹ ہے۔ اُن سے زیادہ کسی کی بھی پریکش نہیں چلتی۔ جشید کیانی نام ہے اور ایک لٹکڑا آدمی ہے۔ اس کا تاقاب نہیں کر سکتا تھا کیونکہ جشید کیانی مجھے اُس سے زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔“

”آخر عمران وہاں کیا کر رہا ہے۔ اب اُس پر بھی نظر رکھنی پڑے گی۔ ورنہ ہو سکتا ہے وہ تھیل ہی بگاڑ دے۔“

”کیا مطلب۔“

”ہمارے معاملات میں پہلے ہی سے اُس کی ناگز اڑی رہتی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم اُسی کے تحت کام کر رہے ہیں۔“

”یار آب تو تھکلے لگی ہے یہ بات۔“

”کیوں...؟“

”تم اس سے ڈرتے ہو۔“ ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ ڈرنے ہی کی چیز ہے مسی۔“

”اُرے جاؤ...!“ ساجدہ نہ پڑی۔

”یقین کرو مسی اُسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔“

”اور جاننے والوں میں سے ایک تم بھی ہو۔“

”ہاں میں جانتا ہوں انھیں۔“

”اپھا جتا ہو اس کی نظرؤں میں کسی کی اہمیت بھی نہیں یا نہیں۔“

”ان کی نظر میں خود ان کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔“

”وہ خود کو احتیٰ کیوں پوز کرتا ہے۔“

”میں نہیں جانتا۔“ جوزف نے کسی قدر تاخوٹگوار لبھ میں کھلپا

”پھر کیا جاتے ہو۔“

”کچھ بھی نہیں۔ خاموش رہو۔ یا کوئی اور بات کرو۔“

دفعہ داروازہ پر کسی نے دستک دی۔ جوزف نے اٹھ کر دروازے کے قریب سے غرائی ہوئی

آواز میں پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”دیٹر نمبر گیارہ جناب۔“ باہر سے آواز آئی۔

”کیا چاہتے ہو۔“

”مجھے بلا یا گیا ہے جناب...!“

”کس نے بلا یا ہے۔“

”اسی کرنے سے کسی نے فون کیا تھا؟“

”بھاگ جاؤ کسی نے نہیں بلا یا۔“

”بہت بہتر جناب۔“

اور پھر جوزف قدموں کی دور ہوئی ہوئی چاپ کی طرف کان لگائے رہا۔

”یہاں سے تو کسی نے بھی فون نہیں کیا تھا۔“ ساجدہ بولی۔

”مجھے باہر ہی ٹھہرنا چاہئے۔“ جوزف سر ہلا کر بولا۔

”کیوں کیا تم کسی قسم کا خطہ محوس کر رہے ہو۔“

”ہم یہاں تفریحات نہیں آئے مسی۔ باس نے کسی مقصد ہی کے تحت بھیجا ہے۔ میں نہیں خانہ کے تمہاری کہانی کیا ہے۔“

”مم.... میری کوئی کہانی نہیں ہے۔“

”ہو۔ بھی تو مجھے کیا۔“ جوزف نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنگش دی۔

دوواڑہ کھول کر وہ باہر نکلا لیکن قبل اس کے کہ معاملے کی نوعیت سمجھ میں آتی سر پر قیامت آئی۔ دو دو زندگی موجیاں یکے بعد دیگرے اتنی تیزی سے سر پر پڑی تھیں کہ وہ ایک کی بھی چوتھے سیکھا کا۔

حملہ آور دروازے کی دونوں جانب دیوار سے چکپے کھڑے تھے۔

جوزف کسی قسم کی آواز نکالے بغیر بے حس و حرکت ہو گیا۔ دروازے کے دونوں پاٹ کھل

تھے اور ساجدہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے اس

تھاں پر کھاٹکا۔ ”میرا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ہے۔ انگلی بے آواز ریو الور کے ٹریگر پر ہے۔... باہر

کیا ادا یا میں جانب چلتی رہو۔“

”لل..... لیکن....!“

”خاموش.... چلو....!“

وہ لڑکہ راستے قدموں سے باہر آئی۔ جوزف بے حس و حرکت پڑا نظر آیا۔

”ایں طرف چلو....!“ پھر کہا گیا۔

پوری راہداری سنسان پڑی تھی۔ وہ جلد ہی تیسری منزل کے زینے طے کر رہے تھے۔ اگر

بلیں راہ میں بھی مل جاتا تو اسے ذرہ برابر بھی کسی قسم کا شہر نہ ہو پاتا کیونکہ ساجدہ ان دونوں سے

ان فاصلے پر چلتی رہی تھی۔... یہ سوچ کر اس کا دل ڈوب رہا تھا کہ وہ بالآخر بیچان لی گئی۔

تیسری منزل پر پہنچ کر دمکی دینے والا اس سے کسی قدر قریب ہوتا ہوا بولا۔

”کرہ نہیں اخداون میں چلو۔“

وہ کھلے ہوئے دروازے میں مڑ گئی۔ اس کے پیچھے وہ دونوں بھی کرے میں داخل ہوئے اور

دروازہ بند کر دیا گیا۔

”یقین کرو۔ میں نے زبردست دھوکا کھلایا ہے۔ دراصل اسے الجمن ہی کا کوئی رکن سمجھ بیٹھی تھی۔ پروفیسر کے قتل کے بعد میں ضروری کاغذات کالالانے کی لگڑی میں تھی۔ جہاں پھر تھی وہیں وہ بھی موجود تھا۔ اس طرح کی باتیں کیس اس نے کہ میں اسے عادل آباد شاہ کا صدر سمجھ بیٹھی۔ پھر اس نے میرے اور مقامی سکریٹری کے درمیان اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا کر دیں کہ میں الجمن کی طرف سے بھی نہیں بن گئی۔ پھر بتاؤ میں اپنی جان بچانے کے لئے کیا کرتی ہے۔“

”اس کے باوجود بھی تم نے کاغذات تک اُس کی رہنمائی کی تھی۔“

”پھر میں کیا کرتی۔ الجمن کی نظر میں تو میں غداری کی مرتبک ہو ہی چکی تھی۔ حالانکہ ایسا نہ تھا اور نہ اب ہے۔“

”تو پھر اپنی وفاداری کا ثبوت دو۔۔۔!“

”کہہ تو رہی ہوں کہ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے صدر اور جوزف کے ساتھ یہاں بیج کر دو بارہ نہیں ملا۔“

”یہ تو بیانی ہو گا کہ تمہیں کیا کرتا ہے۔“

”پچھے بھی نہیں۔۔۔ قطی نہیں۔“

”بھر سوچ لو۔۔۔ ہم تمہیں گولی مار سکتے ہیں۔“

”تو تمہارا دل چاہے کرو۔۔۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔ تم کیا ہو۔ تمہاری حقیقت کیا ہے؟“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”میں ایک نائگے والے کی بیٹی ہوں۔ گھوڑے نہیں ملتے تو آدمیوں کو ہاں کر رکھ دیتا ہوں۔“

”مکواں مت کرو۔ وہ غریا۔“

ساجدہ پس پڑی۔ اب وہ انہیں مر عوب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان دونوں کی آپسی لگٹکو سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ زیادہ ذہین لوگ نہیں ہیں۔ انہیں بہ آسانی الوہی بنا سکے گی۔

”احسن اسے پھوپھو کی طرح ٹریٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ انہیں جھکائی دینے کی سکبیں سوچتے گئی۔“

”تم ایسی ہی معلوم ہوتی ہو۔“ دوسرا نے دانت پر دانت جما کر کیا۔ ”فزار اپنی اصلی شکل تو

اب دھمکی دینے والے کی جیب سے روپا اور بھی نکل آیا تھا۔ اس نے اُس کا رخ ساجدہ کی طرف کیا تھا کہ دوسرا بول اٹھ۔ ”ٹھہر د۔۔۔ فائزہ کرنا۔“

”کیوں۔۔۔!“ پہلا غریا۔

”پتہ نہیں یہ ساجدہ حبیب ہے بھی یا نہیں۔“

”وہی ہے۔ تصویر نکالو اور آنکھوں کی بیانوٹ ملا لو۔ محض ناک اور دہانے کے پلاسٹک میک اپ سے کیا ہوتا ہے۔ پیشائی کی بیانوٹ دیکھو۔“

”پچھے بھی سہی۔۔۔ اس طرح مار دالنے سے کیا فائدہ۔۔۔؟“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ زندہ رکھ کر ہی کیا کریں گے۔“

”احسن آدمی اس کے علاوہ اور کون عمر ان کا پتہ بتا سکے گا۔“

”توہی ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تمہیں اس حکم کا علم نہیں ہے کہ اگر نہ بتائے تو فوراً گلوی مار دی جائے۔“

”مجھے علم ہے اور تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ بتادینے کی صورت میں اگر یہ بے گناہی بھی ثابت کر سکے تو زندہ رہے گی۔“

”مجھے سب معلوم ہے تم خاموش رہو۔“ روپا اور والے نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور ساجدہ سے پوچھا۔ ” بتاؤ عمر ان کہاں ہے۔“

”میں نہیں جانتی۔ یقین کرو۔“

”یہاں آنے کا مقصد ہی بتادو۔“

”میرے خیال سے وہ اس طرح الجمن کے سر بر آور دہلوگوں کا پتہ لگانا چاہتا ہے۔“

”بھلا کس طرح۔“

”اس طرح کہ میں اس میک اپ میں پیچان لی جاؤں گی اور الجمن والے مجھے مار دالنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے لئے انہیں بہر حال سامنے آتا پڑے گا۔“

”تو اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنا لیا ہے۔“

”اب اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں جبکہ اتنی آسمانی سے پیچان لی گئی۔ مجھے مل جائے خود بھی اس کی پڑیاں چباڑاں۔“

”اکو بار ہی ہو ہمیں۔“

”پچھے کرو بھی خدار جلدی سے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان دونوں سکھ کی نیند سو سکی ہوں گی۔“
دونوں پر فگرانداز میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

ساجده باری باری سے انہیں گھورے جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تیر شاید نشانے پر بیٹھا
کر لے گا پھر بولی۔

”میں خود ہی اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح مجھے اس مردود کا پتہ نشان معلوم ہو سکے۔ میری
لیے کیا دارکرکے رکھ دی اُس نے۔ لیکن وہ بھی کیا دارکرکے گا۔“

”کیا دارکرکے گا۔“ پہلے نے پوچھا۔

”اگر یہ میری زندگی کا آخری دن نہیں ہے تو خود ہی دیکھ لیتا۔“

”ختم کر دیہ قصہ.....!“ دوسرے نے پہلے سے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ یہ لاکی جھوٹ نہیں
کیا رہتی۔“

”بھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

”دوسرے احکامات تک ہمیں اسے بیکیں روکنا چاہئے۔“

”اُس کی کیا صفات ہے کہ یہ ہمیں دھوکا نہیں دے گی۔“

”کیوں....؟“ دوسرے نے ساجده کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”میں اب ان لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتی۔“

وہ دونوں پچھے نہ بولے۔ اُن کے چہروں پر ایسے آثار تھے جیسے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا
چاہئے ہوں لیکن عقل رہنمائی نہ کر رہی ہو۔



فعانی نے جوزف کو فرش پر بیووش پڑے دیکھا تھا۔ لیکن وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا کہ
توہین کے ذمہ داروں کو اس کی اطلاع پہنچا کر خود قطعی بے تعلق ہو جاتا۔

اس کے بعد اُسے تیری منزل کے کمرہ نمبر اٹھاون کی گمراہی شروع کر دینی پڑی تھی۔

وہ دونوں ساجده کو اندر لے گئے تھے اور پھر کچھ دیر بعد وہ باہر بھی نکل آئے تھے۔ کمرہ مقفل
کیا تھا اور کہیں چلے گئے تھے اور وہ اب یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ ساجده پر کیا

”میں نہیں جانتی کہ یہ میک اپ کیسے ختم ہو گا۔“ اُس نے جھنجھلا کر کہا۔

”فکر نہ کرو۔ اس کا انتظام پہلے ہی کرچکے ہیں ہم لوگ۔“

وہ بکھر نہ بولی۔ اُس کا اندازہ تھا کہ اُن دونوں میں سے ایک قطعی طور پر اس کیا جا سکتا ہے۔
پہلا آدمی الماری کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا اور دوسرا ساجده کو گھورتا رہا۔ اسی کے متعلق
اس کا خیال تھا کہ قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

”انجمن نے مجھے خدار قرار دے کر اپنا ہی نقصان کیا ہے۔“ ساجده آہستہ سے بولی لیکن آواز
اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ پہلا نہ سن سکتا۔ وہ بھی مزکر ساجدہ کو گھورنے لگا تھا۔

”خاموش کیوں ہو گئیں... بولتی رہو۔ تمہاری آواز کافیں کو بھلی لگتی ہے۔“ اُس نے کہا۔

”میں غداری کی مرکب نہیں ہوئی ہوں۔ انجمن ہی کے ارکان نے مجھے ان لوگوں کے پنج
میں پھنسایا ہے۔ میں عمران سے واقف نہیں تھی۔ صرف اُس کا نام پروفیسر کی زبانی سنا تھا۔ عمران
نے خود کو عادل آباد شاخ کا صدر ظاہر کر کے مجھے دھوکا دیا میں اسے مقابی سکریٹری کے پاس لے
گئی۔ اُس نے عمران کو پیچا لیا۔ میں اُسے کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکی کہ عمران کو اُس حیثیت
سے نہیں جانتی جو انجمن کے مقاد کے خلاف تھی۔ بھروسہاں جنگراہو اور میں نے اسی میں عافیت
بھیگی کہ عمران ہی کے ساتھ چل جاؤں۔ میں اب بھی انجمن کی وفادار ہوں۔ میں ان لوگوں میں
رہ کر بھی انجمن کی پھر خدمت کر سکتی ہوں۔“

ساجدہ خاموش ہو کر ان کے چہروں پر اپنی گفتگو کا رد عمل تلاش کرنے لگی۔ وہ دونوں ہی کسی
گھری سوچ میں معلوم ہوتے تھے۔

”پچھو دیر بعد پہلے نے کھکار کر لہا۔“ ”ہوں... اوں... بات تو قاعدے کی ہے۔ لیکن ہم اس
سلسلے میں پچھے نہیں کر سکتے۔“

”کیوں....؟“ ”ہم سے صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ تمہیں قابو میں کر کے عمران کا پتہ معلوم کریں۔“
”میں بتا دیتی لیکن فی الحال مجھے خود علم نہیں ہے۔“

”ہمیں تمہارے متعلق دوسرے احکامات حاصل کرنے پڑیں گے۔“

گزدی۔ اس طرح کمرہ بند کر کے چلے جانے کا مطلب تو یہی تھا کہ یا تو انہوں نے اُسے بے بارہ میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ایکس ٹونے کی بڑی چھپلی کے لئے یہ چارہ لگایا ہے۔“
کردیا ہے یا پھر قلت۔“
”نعمانی کچھ نہ بولا۔ وہ زینے طے کر کے چلی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ دوسرا منزل پر
ایکس ٹوکی طرف سے کسی معاملے میں دغل اندازی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ صرف نگرانی کی وجہ سے پہنچ کر اُس نے پوچھا۔ ”جوزف کو کہاں لے گئے ہیں۔“
”کرنے اور روپورت دینے کے لئے کہا گیا تھا۔“
”غالبًا ہپتال۔ سرپھٹ گیا ہے۔“
”ہوش آگیا تھا۔...؟“
”کسی قدر۔... اور وہ بڑا بڑا تھا کہ خون بہہ جانے کی وجہ سے نہ اکھڑ گیا ہے۔ تھوڑی سی
ڈسٹ بن کی گرانی بھی کر سکتے۔ یہ دیکھتے کہ اسکی مرتب کردہ روپورٹ ایکس ٹوک کیے پہنچتے ہے۔
آس نے خاور گور اہمداری کے سرے پر رکنے کا اشارہ کیا اور خود کرہ نمبر اہم، ان کی طرف
بڑھتا چلا گیا۔

زادھر اور ڈیکھ کر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگادی۔ سامنے ہی ساجدہ نظر آئی لیکن اس حال
میں کہ ہاتھ پید کر کی کے پاپیوں اور ہاتھوں سے جکڑ دیے گئے تھے اور منہ پر پٹی بندھی ہوئی تھی
کبھی آنکھیں کھل جاتیں اور کبھی وہ انہیں طویل وقته کے لئے بند کر لیتی۔
نعمانی نے قفل کے سوراخ سے آنکھ ہٹائی اور زینوں کی طرف بڑھا۔
”کیا بات ہے۔“ خاور نے بھی زینوں کی طرف مرتے ہوئے پوچھا۔
”زندہ ہے۔ لیکن وہ اُسے کر سی سے باندھ گئے ہیں اور منہ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔“
”تب تو زبردست غلطی ہے۔ غالباً وہ اُس کے لئے کسی سے احکامات لینے گئے ہیں اُن کو
تعاقب کیا جانا ضروری تھا۔“

”یہ بھی ممکن ہے کہ کفن دفن کا انقماض کرنے گے ہوں۔“ نعمانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا
”لیکن تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ کسی سے احکامات لینے گئے ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ زیادہ
جانتے تو۔ مجھے تو اس سب کے مقدمہ کا علم نہیں۔“

”عقل کو تھوڑی سی جنبش دینے پر سب کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔ ہمیں صرف ان کی گرانی
کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ساجدہ میک اپ میں ہے لیکن صدر اور جوزف کیلئے
لازی قرار نہیں دیا گیا ہم دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں جیسے ساجدہ کا میک اپ میری دامت میں
کمل نہیں ہے۔ وہ اپنی پیشانی اور آنکھوں کی بناوٹ نے صاف پہچانی جاسکتی ہے۔ اسی صورت
”اوہ میں ہر کھانے کے بعد پچھلے پنڈ کرنا ہوں۔ وہ نہ ہو تو کسٹرڈ فروٹ ہی کی۔“
”ہوش میں ہو یا نہیں۔“
”شراب قطبی نہیں پیتا۔... البتہ تشنن طبع کیلئے چیزوں گیا کوکا کولا۔ سے شوق کر لیتا ہوں۔“

لغاٹے پر کچھ تحریر نہیں تھا۔ دبازت ہتا تھی کہ اندر بھی کافی موجود ہے۔ لفاذ کھلا ہوا بھی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے اس کے متعلق سوچتی رہی۔ شاکد کبھی رکھ کر بھول گئی ہو.... لیکن کبھی اس نے سیزرنگ کے لغاٹے استعمال نہیں کئے تھے۔

پھر اس نے کھول ہی ڈالا۔ اندر سے اگریزی حروف میں تاپ کیا ہوا خط برآمد ہوا۔
”صیحہ..... میں تمہارے جنم سے واقع ہوں.... سہیل کو
مرنے سے قبل ہوش آگیا تھا۔ اس نے اپنے بیان پر خود مستحق کئے تھے۔
اس کا بیان میرے پاس محفوظ ہے۔ بیان اُسی کی آواز میں ریکارڈ بھی کیا گیا
تھا۔ ٹیپ میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ دونوں چیزیں عدالت میں تمہارے
خلاف استعمال کی جا سکتی ہیں۔ اسے کبھی نہ بھونا۔۔۔ فی الحال رخصت۔
تم اب پوری طرح میری مٹھی میں ہو۔“

صیحہ کے ہاتھ کا پنے اور خط چھوٹ پڑا۔۔۔ سرچ کرنے لگا۔ میز کا سہارا نہیں تو گری پڑی
ہوتی۔ کی منٹ تک وہ میز کے گوشے پر ہاتھ لکائے جبکی کھڑی رہی۔۔۔!
تو گری ہوا۔۔۔ اس مردود نے آخر کار بلیک میلنگ کا سلسہ شروع کر دیا۔ اب کیا ہو گا۔ اب
تو میں واقعی اُس کی مٹھی میں ہوں۔ کاش مجھ سے وہ شرارت سرزد نہ ہوتی۔ مان کا جی جلا یا تھا۔۔۔
”اللہ تعالیٰ کر دے۔۔۔ سزا نہ ہجیو۔۔۔ میرے مالک۔۔۔ وہ سوچتی رہی پھر پے درپے ہارن کی آواز
کیا کرو چکی۔ دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ لغاٹے فائل میں رکھتی ہوئی باہر نکل آئی۔ لیکن قدم
لڑکھ رہے تھے۔

وہ اسٹینرگ پر بیٹھا نظر آیا۔ کتنا خوفناک لگ رہا تھا اس وقت۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی
بیکن نے چہرے کو پہلے سے زیادہ بھیک بنا دیا تھا۔
وہ پیچھی سیٹ پر شم مردہ کی گرگئی۔

کار پچاٹک سے نکل کر سڑک پر آگئی تھی۔ ڈرائیور خاموشی سے اسٹینرگ کرتا رہا۔ صیحہ کی
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اگر اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دیتی تو
خود اس کی ذات بھی اس معاملے میں ملوث ہو کر رہ جاتی۔ خاموشی اختیار کرنے کی صورت میں نہ
جانے کیا خوش ہو۔۔۔ آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ لیکن وہ وہاں اپنی مرضی سے کب آیا تھا۔

”ترے سنجا لو۔۔۔!“

”اس طرح ترے لے پھرنا بھی تمہارے لئے مناسب نہیں۔“ ڈرائیور نے ترے لے کر
اسٹول پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”بیگلے سے اس کو ٹھری تک ایک پختہ روشن بیانی چاہئے تاکہ میرا کھانا
ثرالی پر لایا جاسکے۔“

”تمہیں دھکے دلو اکر نکال ہی نہ دیا جائے۔“

”دھکے کے بغیر نہیں اشارت ہو گی۔ بیٹری ڈاؤن ہے۔ گاڑی رنگ میں تور ہتی نہیں۔“
”جلدی کھاؤ۔۔۔ مجھے یونورسٹی جانا ہے۔“

”یہی تو میں کہوں کہ دوپہر کا کھانا گیراہ بجے ہی کیسے آ جی۔“ اس نے کھاث پر بیٹھ کر اسٹول
اپنی طرف کھکاتے ہوئے کہا۔ پھر سالم کا نوالہ لیا ہی تھا کہ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
”اب کیا ہے۔۔۔!“ وہ جھلا کر بولی۔

لیکن وہ کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف چھپنا اور دوسرے ہی لمحے میں نوالہ تھوک کر بڑی
طرح منہ پیٹھ رہا تھا۔
”ارے مر گیا۔۔۔ اتنی مر پیش۔۔۔ ہائے۔۔۔ سوسو سو۔۔۔ ارے۔۔۔ پپ۔۔۔ پانی۔۔۔
سی کی کی کی۔“

”اب میں پانی بھی پلاوں گی تمہیں؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”میں ہی پانی لوں گا۔ مگر یہ کھانا میرے دادا تک کو قبر سے اکھڑانے کے لئے کافی ہو گا۔“
”تم دفعہ ہو جاؤ یہاں سے اتنے نخے نہیں برداشت کئے جاسکتے۔“

”ارے تو میں کچھ کہہ رہا ہوں۔۔۔ روکی چاتیاں پانی کے گھونٹوں سے اتار لوں گا۔“

”چھشم میں جاؤ۔“ وہ کو ٹھری سے نکلتی ہوئی بولی۔ ”میں ابھی آرہی ہوں۔ گاڑی نکالو۔“

محبی آدمی تھا۔ اس طرح ملازمت حاصل کی اور اب اس طرح دھونس جمارہ ہے۔ کیسے
بیچھا چھوٹے گاں سے۔۔۔ کہیں کچھ دنوں کے بعد بلیک میل نہ کرنا شروع کر دے۔۔۔ وہ سوچتی
ہوئی کر کرے میں آئی۔

نوٹ کا فائل اٹھیا اور پھر وہ لفاذ المخانے کے لئے جبکی جو فائل سے گرا تھا۔ سیزرنگ کا
لفاذ۔۔۔ وہ سوچنے لگی کہ اس نے تو کوئی لفاذ فائل میں نہیں رکھا تھا۔ پھر یہ کہاں سے آیا۔

خود اس کے لازمیں پکڑ لائے تھے۔ لہذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی آمد کسی سوچی بھی ایکم کے تحت ہوئی ہو۔ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا براہ راست اس سے گفتگو شروع کر دے؟ پھر اسے سہیل یاد آیا۔ جو اس کا تعاقب کیا کرتا تھا۔ کیسے مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ جسے اس نے ٹھوکروں پر رکھ کر موت ہی کی طرف دھکیل دیا؟ لیکن کون جانے یہ بھی محض فرزاں ہو۔ سہیل زندہ ہو۔

صیحہ کی ا江山 بڑھتی رہی۔ پھر اسے اس پر غصہ آنے لگا۔ اس نے سوچا جو کچھ ہونا ہو گا ہو کر رہے گا اس سے دودو باشیں تو ہو ہی جائیں۔

کارپیونور سٹی والی سنان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

سڑک کے کنارے لگا کر گاڑی کھڑی کر دو۔ دھنعتاں نے اپنے لجھ میں سختی پیدا کر کے کھنڈ رفتار کم ہو گئی اور گاڑی سڑک کے کنارے جا گئی۔ لیکن ڈرائیور نے مزکر نہیں دیکھا۔ اسٹرینگ پر جھکا بیٹھا رہا۔

”میں تم سے خائف نہیں ہوں۔۔۔ سمجھو۔۔۔!“ صیحہ غرائی۔

”نہ میں شیر نہ بھیڑا۔۔۔ پھر خائف ہونے کا کیا سوال؟“ جواب ملا۔

”سبجدیگی سے گفتگو کرو۔“

”بالکل سبجدیہ ہوں۔“

”تم مجھے بیک میل نہ کر سکو گے۔ میں کسی پیز سے بھی نہیں ڈرتی۔ بدناہی یا نیک نامی کا خیال بزدلوں کو آیا کرتا ہے۔“

”اطلاع پا کر خوشی ہوئی۔۔۔ اور کچھ۔۔۔؟“

”شتاپ یوڑرٹی سواکھیں۔“

”انگریزی میں گالیاں بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ البتہ اردو کی بات دوسرا ہے۔ تمام کو انف کھل کر سامنے آجائے ہیں۔“

”میں کہتی ہوں خانوش رہو۔“ وہ غصہ سے پاگل ہوئی جازی تھی۔

”تم گالیاں دیئے جاؤ اور میں پسندیدگی کا اظہار بھی نہ کروں۔“

”تو تم انگریزی سمجھ لیتے ہو۔“ وہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

”بزرگ من اور فرانسیسی بھی۔“

”لیکن تم مجھے بیک میل نہیں کر سکتے۔“

”جبت دیر سے تم بیک میل کی رث لگائے ہو لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اچھوتا خیال آیا کیسے۔“

”اس کے قاتل تم خود ہو۔ میں نہیں۔۔۔ میں نے تم سے مدد بھی نہیں مانگی تھی۔“

”میرے خدا۔۔۔ میں اپنسر کہاں دے ماروں۔۔۔؟“

”گاڑی کی باشیں مجھ سے نہیں چلیں گی۔ تم میرا پسند ہے بلکہ سکو گے۔“

”اب اگر تم اصل معاملے کی طرف نہ آئیں تو میں خود اپنا حلیہ بگاڑ کر کھو دوں گا۔“

”مجھے اس خط کا مقصد بتاؤ۔“

”کس خط کی بات کر رہی ہو؟“

”جو تم نے میرے قائل میں رکھ دیا تھا۔“

”جس میں نے تمہارے کسی قائل میں کوئی خط نہیں رکھا۔“

”تم جھوٹے ہو۔“

”قابل کہاں تھا تمہارا۔“

”میرے سونے کے کمرے میں۔“

”تمیرا خیال ہے کہ پرسوں رات کے علاوہ میں بیٹھ کے اندر نہیں گیا۔“

صیحہ نے سوچا یہ بات تو ٹھیک ہی ہے۔ اسٹور روم سے رہائی کے بعد سے وہ بیٹھ کے اندر

بھی نہیں گیا تھا۔ لیکن کیا پتہ گھر کا کوئی ملازم بھی تو اس کا مددگار بن سکتا ہے۔ مفت ہاتھ

کرنے والے بیجوں میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

”تم نے میرے کسی ملازم کو بھی بد طینت بنا دیا ہو گا۔“

”وہ تو کبھی صورت حرام اور بد طینت ہیں۔۔۔!“

”تو تم نے ایسے ہی بد طینت کے ذریعہ وہ خط میرے قائل میں رکھ دیا تھا۔“

”میں نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی۔ کیا میں تم سے کوئی زبانی بات نہیں کہہ سکتا۔“

”تو یہ لفاف تم نے نہیں رکھ دیا تھا۔“ اس نے قائل سے بزرگ کا لفاف نکال کر اسے

دکھاتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے پر تشویش انداز میں سر کو منقی جبکش دی لیکن لفافہ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

”ویکھو...!“ صیحہ نے لفافہ اگلی سیٹ پر ڈال دیا۔

ڈرائیور نے لفافہ سے خط نکلا اور اُسے باواز بلند پڑھنے لگا۔

صیحہ حیرت سے سن رہی تھی۔ لہجہ اور تلفظ سے معلوم ہو رہا تھا چیزے واقعی اُس کی تعلیم بڑے سلیقے سے ہوئی ہو۔

خط ختم کرنے کے بعد اُس نے ایک طویل سانس لی اور مرد کر صیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”بھلا مجھے اس کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ وہ میری ہی ضربات کی وجہ سے مرا ہو گا۔“

”پڑھے لکھے بدمعاشوں کی بنائی ہوئی اسکیمیں دورس ہوتی ہیں۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ جب کہ میں اس کا اعتراض کر سکتی ہوں کہ وہ میری موجودگی ہی میں پناختا اور جس نے پناختا ہی مجھے بیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے... اس سے بھی تو ثابت ہوتا ہے ناکہ اس خط کا تعلق میری ذات سے نہیں۔“

صیحہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی کچھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا چاہئے۔

و فتحاً ڈرائیور نے کہا۔ ”گھر واپس چلو۔“

”کیوں...؟“

”میں دیکھوں گا کہ یہ خط تمہارے کمرے بیک کس ذریعہ سے پہنچا ہو گا... ہاں... آج کوئی باہری آدمی بھی آیا تھا؟“

”نہیں کوئی بھی نہیں۔“

”تب تو تمہارے تینوں ملازموں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔“

”پتہ نہیں۔“

”تمہارے چھوٹے بھائی بہن تو تمہارے لئے درسروں کے خطوط نہیں لاتے رہے۔“

”بھی نہیں۔“ وہ کھسیا کر غصیلے لہجے میں بولی۔ ”عشق کرنا ہو گا تو علاویہ کروں گی۔“

”شایاش شایاش... عمر دراز... لیکن ہو سکتا ہے کہ بچوں ہی میں سے کسی کو ورغلایا گیا ہو۔“

”میں نہیں جانتی۔“

”تو پھر چلو واپس۔“

”بھیسا، جی چاہے...!“

”لیکن اتنی جلدی واپسی کا جواز کیا پیش کرو گی۔“

”پروفیسر پیچش میں متلا ہیں۔ کلاس نہیں لیں گے۔“

”سجادا اللہ سجادا اللہ... اچھی بات ہے۔“

ڈرائیور نے اٹھن اشارت کر کے یوڑن لیا اور گاڑی پھر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ بغیر راست خاموشی ہی سے طے ہوں۔

گھر پہنچ کر گاڑی سے اترے ہوئے صیحہ نے آہستہ سے پوچھا۔ ”کیسے پڑھا گے۔“

”تمہاری وانت میں تمہارے ملازمین میں سب سے زیادہ خبیث کون ہے۔“ ڈرائیور نے سوال کیا۔

”مجھے بھی خبیث معلوم ہوتے ہیں۔“

”اچھا تو تینوں خبیثوں کو کسی بہانے سے میرے پاس بھیج دو۔“

”لیں کرو گے تم....!“

”اگلوں اوس گاؤں سے... اور تم صرف آدھے گھنٹے کیلئے میری کو ٹھری سے دور ہی برہن۔“

صیحہ اندر چلی آئی۔ پہلے ایک ملازم کو بلا کر اُس سے کہا کہ وہ ڈرائیور کو بلا لائے پھر دس

مشینٹ بعد دوسرا کو بھیجا اور ان دونوں کی واپسی کی منتظر رہی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ پلٹا۔

پندرہہ منٹ بعد تیسرا کو روانہ کیا۔

پورا ایک گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کی بھی واپسی نہ ہوئی... اُس نے سوچا ب

چڑی جل کر دیکھنا چاہئے۔

وہ کو ٹھری جہاں ڈرائیور کا قیام تھا مہندی کی قدر آدم باڑھ کی اوٹ میں تھی اس لئے بیک کے

بڑا مے میں کھڑے ہوئے کسی آدمی کی نظر میں آئے بغیر وہ اُسکے دروازے تک پہنچ سکتی تھی۔

کو ٹھری کا دروازہ بند ملا۔ اندر سے کنڈی چڑھادی گئی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش ٹھری سن گئی۔

لیکن اندر سے کسی قسم کی بھی آوازنہ آئی۔ پھر اسے دروازے کی جھری سے جھانکنا ہی پڑا۔

اندر کے حالات تشویش کن تھے۔ تینوں ملازموں کے ہاتھوں اور ناگوں میں ڈنڈے پھنسا کر

اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ جنیش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ منہ میں کپڑا بھی نہ خونس دیا گیا ہوتا تو وہ غل غپڑا چاکر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

اور ڈرائیور سامنے والے جھلکی پر انہیں کے رنج کروٹ لئے سور ہاتھ۔

صیبھے چکر آگئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آخر وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟

دفتار ایک ملازم کے طبق سے عجیب سی سمجھنی کھٹی آوازیں نکلنے لگیں اور ڈرائیور نے اس طرح آنکھیں کھول کر دیکھا جیسے بچوں کے شور میں بھی گھری نیند سونے والے کسی عیال دار بوڑھے کے کافوں میں کوئی نی آواز پڑی ہو۔

اس نے سیدھے ہو کر پورا جسم تان لیا۔ لیٹھے ہی لیٹھے اگڑاں لی اور اٹھ کر اس شور چانے والے کو پر تشویش نظریوں سے دیکھنے لگا۔

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔“ ڈرائیور نے سر بلکر کہا۔ ”میں سمجھ گیا۔ اس لئے تمہارے علاوہ اور سب کی چھٹی... تم میں سے کوئی بھی دوسرے کے متعلق نہیں جانتا کہ میں نے اس سے کیا پوچھا تھا۔ لہذا اس کا ذذکر کوئی کسی سے نہ کرے۔ ورنہ جان سے مار دوں گا۔ مجھے ڈپٹی صاحب نے گھر کی گمراہی کے لئے بھجو یا ہے۔ سمجھے۔“

پھر اس نے ان دنوں ملازموں کو آزاد کر دیا جنہیں صیبھے نے بے جس و حرکت اور خاموش دیکھا تھا۔

”ایک ایک کر کے یہاں سے چلے جاؤ۔... تمہارے کسی معمول میں فرق نہ آنا چاہئے سمجھے۔“ ڈرائیور نے دنوں کو خاطر بکر کے کہا۔

صیبھے نے سوچا اب وہ باہر نکلیں گے۔ لہذا ان کی نظریوں میں نہ آنا چاہئے۔ وہ قریب کی بے ترتیب جہازیوں کی اوٹ میں ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اس نے انہیں مالی کی کوئی سے نکلتے دیکھا۔ چہردن پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے نظریوں سے اوچھل ہو گئے۔

صیبھے جہازیوں کی اوٹ سے نکل کر پھر دروازے کے قریب آگئی۔ جھری سے آنکھ لگائی ہی تھی کہ اندر سے ڈرائیور کی آواز آئی۔ ”اب آپ بھی اندر آنکتے ہیں لی بی جی۔... کنڈی نہیں گئی ہے۔“

وہ سانٹے میں آگئی اور غیر ارادی طور پر ہاتھوں نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ اور دنوں پاٹ کھل گئے۔ تیسرا ملازم بھی اب آزاد ہو چکا تھا۔ صیبھے نے اس پر اچھتی سی نظر ڈالی اور ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”یہ ہے وہ ملازم جس نے لفافہ آپ کی فائل میں رکھا تھا۔...؟“ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”کیوں....؟“ صیبھے اس کی طرف مڑی لیکن وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

”کس نے دیا تھا جسہیں وہ لفافہ۔“ صیبھے نے پھر کانپتی ہوئی آواز میں سوال کیا لیکن اس کا بھی جواب انسنے نہ مل سکا۔

”کسی نے دس روپیوں کے لئے اس سے یہ خدمت لی تھی۔“ ڈرائیور نے بخک لبجھ میں کہا۔

”کس نے....؟“

”اُس سے پہچانتا نہیں۔“ ڈرائیور بولا۔

”تم نے یقین کر لیا۔“

”یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسے یہاں سے جو تنخواہ ملتی ہے اس کے گزر اوقات کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ لہذا یہ دس روپیوں کے لئے قتل بھی کر سکتا ہے یہاں تو صرف ایک خط لکھنا تھا اس فائل میں جسے تم عام طور پر استعمال کرتی ہو۔“

”میں اسے پولیس کے حوالے کر دوں گی۔“

”وہ اس سے کچھ وصول کر کے چھوڑ دیں گے۔... ان بیچاروں کی تنخواہیں بھی ان کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ لہذا اس بیچارے کو دس روپیوں کے نفع میں رہنے دیں لیکن پیارے کہیں تم بھی

”لیکھ رہا کا یونورٹی کے ایل ایل ڈی نہیں۔“

”فضول بالوں میں نہ پڑو۔... اسے پولیس کے حوالے کر دو۔“

”میں اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ فوری طور پر یہاں سے منہ کالا کر جائے۔“

”کبھت تک حرام۔... اتنے دنوں سے یہاں سے۔“

ڈرائیور نے ہاتھ ہلا کر اسے ہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور وہ اسی طرح سر جھکائے جو کہ بارہ نکل گیا۔ صیبھے نے اس کے پیچھے جانا چاہا تھا۔

”خہرو۔“

”نہیں.... میں اسے ضرور پڑھوں گی۔“

”اور دوسروں کو اس کی وجہ بتاتے ہوئے یہ بھی بتاؤ گی کہ اس خط کی نوعیت کیا تھی... کیوں؟“
صینہ کے قدم رک گئے وہ دم بخود کھڑی رہی۔ پھر بولی۔ ”بمحض میں نہیں آتا کس مصیبت
میں پھنس گئی ہوں اور اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“



صفدر کو جوزف پر غصہ آرہا تھا۔ آخر کمرے میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بدستور دروازے
بھی پر کھڑے رہ کر پھرہ دیتا رہتا۔
اس نے جوزف سے بھی اس کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے اس کے
علاوہ اور کچھ نہیں کہا تھا۔ ”مقدار مسٹر مقدار...!“

پھر صدر نے کافی دیر تک اس سے بات نہیں کی۔ جوزف کا سرزخی تھا۔ ڈاکٹر کے بیان کے
مطابق وافر مقدار میں خون ضائع ہو گیا تھا۔

جوزف والے واقعہ کا علم ہوئی کے باشندوں کو ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات کسی کو بھی نہ معلوم
ہو سکی کہ اسکے بعد کیا ہوا تھا۔ ساجدہ کی گشادگی کے بارے میں صدر نے بھی اپنی زبان بند ہی رکھی۔
جوزف اس وقت ہوئی کے اس کمرے میں تھا جہاں وباً امراض کے شکار و قتی طور پر رکھے
جاتے تھے۔ اور پھر انہیں کسی ہسپتال میں منتقل کر دیا جاتا تھا۔

کچھ دیر بعد یہی مسئلہ جوزف کے لئے بھی پیدا ہو گیا۔ ہوئی کے ذمہ دار ان کا اصرار تھا کہ
اُسے پھر ہسپتال بھیجن دیا جائے۔

”کیا میں مر رہا ہوں؟“ جوزف نے سپرداز سے جھلا کر پوچھا۔

”یہ میں کچھ نہیں جانتا مسٹر.... قانون بہر حال قانون ہے۔“

”نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم کسی کا لے آؤ کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“

”میں بیان سے کہیں نہ جاؤں گا سمجھے۔ کیا میں بیمار ہوں۔ جاؤ ان کا پتہ لگاؤ جنہوں نے مجھ پر
حملہ کیا تھا۔ وہ یقینی طور پر دو آدمی تھے۔“

77

”پولیس پتہ لگائے گی۔ یہ میرے فرانچ میں داخل نہیں۔“
”ہسپتال بھجواد بینا تمہارے فرانچ میں داخل ہے؟“
سپرداز سر جھنگھلا کر کچھ کہنے لی اولاد کر ریٹا جبراں میں کرے میں داخل ہوئی۔
”اے یہ کیا ہوا؟“ اُس نے محکمہ اڑانے والے انداز میں جوزف سے پوچھا۔
”وہی خواب تک ایسے حالات میں ہوتا آیا ہے۔“ جوزف غرایا۔
”کیا بک رہے ہو.... میں کچھ نہیں سمجھی۔“
”تمہارے کسی سفید فام ساتھی نے میر اسر پھاڑ دیا۔“
”بکواس ہے۔“
”لیکن کرو.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کسی دن تمہاری توہین کی تھی۔“
”میں پولیس کو بھی بیان دیا ہے۔“
”اے سڑا بتم جاؤ۔“ جوزف نے ہاتھ ہلا کر سپرداز سے کہا۔
سپرداز نے ریٹا کی طرف دیکھا اور ریٹا نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ چلا جائے۔
”تم خواہ خواہ میر انام کیوں لے رہے ہو۔“ ریٹا نے اس کے چلے جانے کے بعد جوزف سے
کہا۔ ”جیسے ہیں پوچھا۔“ کیا تم نے حملہ آوروں کو پیچا نہ کیا۔“
”بھی تو مشکل ہے کہ پیچاں نہیں سکتا۔ ورنہ اب تک یہاں خون کی ندیاں پڑ جاتیں۔“
”پھر میر انام کیوں لے رہے ہو۔“
”تمہاری نسل کے لوگ کینہ توڑا کیتھے ہوتے ہیں۔“
”میں کبھی ہوں خاموش رہو۔ ورنہ اپنے اچھانہ ہو گا۔“
”اب اس سے بھی کیا برا ہو گا۔“
”میں خیریت دریافت کرنے آئی تھی اور تم یہ ذلالت لے بیٹھے۔“
”تو خیریت دریافت کرونا۔“ جوزف نے خلاف موقع وانت نکال دیئے۔ اگر اس کے جانے
بالوں میں سے کوئی بیان موجود ہوتا تو اس کی آنکھیں فرط حریت سے پھیل گئی ہوتیں۔ یہ
حیرت خاچا جاتی لگاؤٹ کی نظروں سے ریٹا کو دیکھ رہا تھا۔
جوزف جو کسی عورت کے قرب کو ملک الموت کی ہم نشی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اچاک اس

طرح بدل گیا تھا۔

”یہ سب کیسے ہوا۔“

”میں نہیں جانتا مسی۔ کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ میں پانی پینے اندر گیا تھا۔

دروازہ کھول کر باہر کھوپڑی نکالی ہی تھی کہ آنکھوں میں اندر چھا گیا۔ کمی وار کئے گئے تھے۔“

خاموش ہو کر سر پر بندھی ہوئی پی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ تمہاری دل دہلا دینے والی حرکتیں کسی کو گراں گذری ہیں۔“

”میں تو ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا۔“ جوزف نے تحریر آمیز مخصوصیت کا مظاہرہ کیا۔

”تم کرتے ہو۔۔۔ جب بہت زیادہ پی جاتے ہو۔“

”پتہ نہیں۔۔۔!“ جوزف ٹھٹھی سانس لے کر بولا۔ ”میں بہت بد قسمت آدمی ہوں۔ مال

بپ دنوں مر چکے ہیں۔“

”فسوس۔۔۔ مجھے فسوس ہے۔“ رینا نہ صرف بسیجیدہ بلکہ کسی قدر رنجیدہ بھی نظر آنے لگی۔

”بچپن میں جن لوگوں کے ہاتھ پر اتھاواہ مجھے جلتی رہیں پر پتھر کھدیا کرتے تھے۔“

”رہنے دو۔“ رینا ہاتھ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”ایسی باتوں سے مجھے دکھ ہوتا ہے۔“

”ٹھیک ہے مسی۔“ جوزف نے طویل سانس لی۔ ”کون ہے اس دنیا میں جو میری رام کہلا

سن کر میرے جی کا بوجھ پلا کرے۔“

”ضرور سنتی۔۔۔!“ وہ کلائی کی گھری پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔ ”لیکن تین منٹ بعد میری

ڈیوٹی شروع ہو جائے گی۔“

”تم یہاں کیا کام کرتی ہو مسی۔“

”ٹیلی فون آپریٹر ہوں۔“

”اچھا کام ہے مسی۔۔۔ تم میرے باس رانا کو نہیں جانتیں بڑا جابر آدمی ہے۔ کاش میں بھی

ٹیلی فون آپریٹر ہوتا۔“

”تم ہوتے۔۔۔؟“ رینا نے غالباً نہیں روکنے کی کوشش کی تھی۔

”ہاں ٹیلی فون آپریٹر۔۔۔ گالیاں دینے والے سامنے تو نہیں ہوتے کہ ان کا سر پھاڑا دینے۔“

ان میں سے ایک نے اس کے منہ سے پٹی کھول کر حلقت تک ٹھونسا ہوا کپڑا نکالا اور وہ انہیں

جی چاہے۔“

”تو کیا رانا۔۔۔ تمہیں گالیاں بھی دیتا ہے۔“

”ہاں مسی۔۔۔ بہت گندی گندی۔ لیکن کیا کروں۔۔۔ اب وہ میرا آقا ہے۔۔۔ میرے پہلے

آقا تاہنے مجھے اس کے پاس رہن رکھا ہے۔“

”رہن رکھا ہے۔۔۔ تم کو۔۔۔ یعنی ایک آدمی کو۔۔۔ یہ تو سر اسر غیر قانونی ہے۔“

”لیکن مجھے اپنے اس آقا سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔“

”آخر وہ کون تھا ظالم۔۔۔!“

”اُسے ظالم نہ کہو۔۔۔ بہت اچھا آدمی ہے۔“

”اُس کے باوجود بھی کہ اس نے تمہیں یعنی کہ ایک آدمی کو رہن رکھ دیا۔“

”ہاں۔۔۔ ہاں مجھے اس سے محبت ہے۔ وہ میری کھال کے جوتے بھی پہن سکتا ہے۔“

”ورا مجھے اس کا نام اور پتہ بھی تو بتاؤ۔ میں دیکھوں گی۔“

”کیا دیکھوں گی۔“

”یقیناً۔۔۔ وہ آدمی بیسویں صدی کے لئے تھا۔“

”نہیں وہ بُرا آدمی نہیں ہے۔“ جوزف نے بُرا مان کر کہا۔

”ویسے اس وقت تم بھی عجبہ ہی معلوم ہو رہے ہو۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”میں نے تمہیں اتنے شریفانہ موڑ میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“

”اتا خون بہرے جانے کے بعد تو وہ بھی شریف ہو جائیگا جس نے آدم کو جنت سے نکلوا تھا۔“

”خیر پھر سکی۔۔۔ اُوہ صرف ایک منٹ باقی ہے۔ مجھے پنچ جانا چاہئے۔“ وہ گھری دیکھتی ہوئی

رُکنی اور کمرے سے نکل گئی۔



ساجدہ کو تین گھنٹے تک وہاں اُسی حال میں بیٹھے رہنا پڑا تھا پھر وہ دنوں والیں آئے تھے اور

”ہاں ٹیلی فون آپریٹر۔۔۔ گالیاں دینے والے سامنے تو نہیں ہوتے کہ ان کا سر پھاڑا دینے۔“

ان میں سے ایک نے اس کے منہ سے پٹی کھول کر حلقت تک ٹھونسا ہوا کپڑا نکالا اور وہ انہیں

”کچھ دن گزارنے کے بعد انہم کے روز و اسرا پر نظر پڑتی ہے۔“

”پھر پروفسر راشد کون تھے؟“

”صدر کا ایک ادنیٰ اجنبی۔ جو صدر سے باغی ہو گیا تھا اور دارالحکومت والی شاخ کو اپنے تابع دریان بنانا چاہتا تھا۔“

”لیکن ان کے پاس کچھ بہت شی اہم قسم کے کاغذات تھے۔“

”ترے ہے ہوں گے۔ لاپرواں سے جواب دیا گیا۔“

”لیکن وہ تو پولیس کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔“

”انہم کو اس کی ذرہ براہر بھی پرواد نہیں۔ خیر ختم کرو۔۔۔ اب ہمیں سوچتا ہے کہ تمہیں۔“

”کیا کیا میں کس طرح لے جایا جائے۔“

”ذات کے آٹھ بجے تھے۔ صدر جوزف کو اپنے کربے میں واپس لایا تھا اور دیر سے زیر دنا میں کا جزوی رٹرنسیٹ سنبھالے کی بیان کا منتظر تھا۔ یہ پیغامات اُسے عمران ہی کی طرف سے کوڈ روڑز میں لے لئے تھے۔ جوزف اس سے واقف تھا لہذا اُس کی آکھیں بھی ٹرانسیٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔“

”دفاتر میں موصول ہوا اور صدر کا غذ پیش سنبھال کر بیٹھ گیا۔“

”بیان کی ابتداء ہوئی۔ اب پہلی تیزی سے کاغذ پر چلے گئی تھی۔ جوزف احمقانہ انداز میں لکھ کر پھر اسے بیٹھا تھا۔“

”بیان کے اختتام پر ٹرانسیٹ بند کر دینے کا اشارہ ملا اور صدر کو ٹرانسیٹ کا سوچ آف کرتے کیا جاؤ۔“

”وہ تیسری منزل کے کرہ نمبر اخداون میں ہے۔“ صدر نے کہا۔ ”اُسے دو آدمیوں اور دکھاں لے لے گئے تھے۔ اب تک وہیں ہے۔“

”اور وہی دونوں حملہ آور بھی تھے۔“

”اُس کے علاوہ اپر کیا سمجھا جاسکتا ہے۔“

”اوور...!“ جوزف نے غرا کر بستر سے چھلانگ لگائی اور کرے کے وسط میں کھڑا ہو کر

بُرا بھلا کہنے لگی۔

”اگر میں اسی وقت چیخنا شروع کر دوں تو کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا؟“

”کچھ نہیں۔۔۔ اب تو تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا جاسکتا۔ ویسے تمہارے ساتھیوں کا خیال ہے کہ تم بھی ہوٹل سے باہر نہیں گئیں۔“

”ساتھیوں سے کیا مراد ہے۔ میرے ساتھ صرف دو آدمی صدر اور جوزف تھے۔ ان کے علاوہ میں کسی تیرے کو نہیں جانتی۔“

”انہی دونوں کی بات کر رہا ہوں۔“

”وہ کلوٹاز نہ ہے یا مر گیا؟“

”اُس کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو کم از کم دوبار مرا ہوتا۔“

”تو وہ زندہ ہے۔“

”نه صرف زندہ ہے بلکہ باشیں بھی بنا سکتا ہے۔“

”جہنم میں جائے۔ یہ بتاؤ کہ میرے لئے کیا نظر پایا۔“

”تمہیں بیہاں سے چلنا پڑے گا۔ ہیڑ کوارٹر میں پہنچا دینے کا حکم ملا ہے۔“

”ہیڑ کوارٹر کہاں ہے؟“

”کیا کسی کو علم ہے اس کا؟“

”میں نے کہا شاہزاد عادل آباد والے جانتے ہوں۔“

”اور عادل آباد والوں کا خیال ہے کہ وہ دارالحکومت ہی میں کہیں ہے۔“

”ہونا تو یہی چاہئے کیونکہ صدر انجمن کا قیام دار الحکومت ہی میں تھا۔“

”صدر انجمن....!“ ایک نے مضحكانہ انداز میں کہا اور دونوں ہنپڑے۔

”کیوں....؟“

”تو کیا تم پروفیسر راشد ہی کو صدر انجمن سمجھتی رہی تھیں۔“

”کیوں نہیں.... وہ تو تھے ہی۔“

” غالباً یہ تمہاری بمبر شپ کا ابتدائی دور تھا۔“

”ہا۔۔۔ تو پھر....؟“

سینہ پیٹنے لگا۔

"میں مردود... رو سایا۔" وہ سینہ پیٹ پیٹ کر کھاتا جا رہا تھا۔ اتنی دیر تک اپنے دشمنوں کو سر پر اٹھائے پھر اہوں... میں جو تمہارے پر بھاری ہوں اُس چھت کے نیچے زندہ کیوں رہا جس کے سامنے میں میرے دشمن عیش کر رہے ہیں۔"

پھر وہ دروازے کی طرف چھپتا ہی تھا کہ صدر نے اُس کی کمر پکڑلی۔

"چھوڑو... مجھے چھوڑو...!"

"تم پاگل ہو گئے ہو... پورا بیگام تم نے نہیں سن۔ ہمیں صرف دیکھنا اور موقع کا منتظر رہنا ہے۔"

"میں دیکھنے جا رہا ہوں تم موقع کے منتظر ہو۔ اب یہ ذاتی معاملہ ہو گیا ہے مشر... اُس کر کے میں جو بھی نظر آیا اُس کا سر ضرور پھٹے گا۔"

"جوزف... ہوش میں آؤ... اگر کھل بگر گیا تو تمہارا باب زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"مجھے جنت ملے گی اگر باس کے ہاتھوں مارا گیا۔ چھوڑو مجھے ورنہ بعد میں مجھے بھی افسوس ہو گا۔" صدر نے اُسے پیچھے کھینچ کی کوشش کی۔ لیکن جگہ سے ہلا کھن نہ سکا اور پھر وہ ہائپنے لگا جسم تھا یا پھر کی چٹان۔

"بُس اب چھوڑو...!" جوزف نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں... ہرگز نہیں... تم نہیں جاسکتے۔" صدر کو غصہ آگیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر دوڑا چیسے کی بر ق رفتار گازی کو دھکا گا۔

جوزف کر کے باہر تھا۔ صدر بوكھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور اُس کے پیچھے دوڑا... دروازہ کھولنا چاہیا... جو ہیندل گھمانے کے باوجود وہ بھی نہ کھل سکا۔

کنجی تو جوزف ہی کے پاس تھی۔ اُس نے سوچا۔ تو اب وہ خود کو مقید سمجھے۔ اُوہ یہ مردود... وہ دانت نہیں کر رہا گیا اور شائد ایک مکار دروازے پر بھی رسید کر دیا تھا۔

اچانک کسی نے پشت سے گردن پکڑلی اور وہ گردن چھڑا کر پلٹ پرنے کی کوشش میں اُس کے پشت ہی پڑا۔

"اُب شائد تو اپنے سر کا بھرتا بھی بونا چاہتا ہے۔" گردن پکڑنے والے نے کہا۔ "اُوہ... بیب... بیب... باس... یعنی کہ باس...!" جوزف کی گرفت ڈھلی پڑ گئی اور اُس نے دانت نکال دیئے۔

"شٹ اپ... بھاگو یہاں سے۔"

"مل... لیکن... باس...!"

"جاوے...!" اُس نے اُسے دوسری طرف دھکا دیا۔

جوزف لا کھڑا تھا اُسکا ایک دروازے سے ٹکر لیا۔ دروازہ کھل گیا۔ اور وہ دھرام سے

دھرم سترے کے فرش پر جا گا۔ دھکا دینے والا بھی بڑی پھرتی سے کرے میں داخل ہوا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ جوزف کی طرف ٹڑا۔ کٹ کا کالر نیچے گراتے ہوئے فلت ہیٹ کا گوشہ لکھنے اور اٹھانا۔ یہ عمران تھا۔

"میں غصہ سے پاگل ہو رہا ہوں باس۔" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم بیال کیا کرتے پھر رہے تھے۔"

"خود پر لعنت بھیج رہا تھا کہ وہ میرے سر پر سوار تھے اور میں بستر میں پڑا ہائے کرتا رہا میں اچھل کر دوڑا چیسے کی بر ق رفتار گازی کو دھکا گا۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو۔"

کرکہ نمبر اٹھاون کے ایک تنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

امیران بیٹھنے کے پاس تھی۔ اُس نے سوچا۔ تو اب وہ خود کو مقید سمجھے۔ اُوہ یہ مردود...

وہ دانت نہیں کر رہا گیا اور شائد ایک مکار دروازے پر بھی رسید کر دیا تھا۔

"میں غصہ کو مشورہ دیتا کہ نمبر ضرور ڈلوادے ورنہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی دوسرے کر کے کو

کھرستان بناؤ کر کے دو۔ او شب دیجور کے بچے... تھے کہ بھل آئے گی۔"

"میں انہیں ضرور ماروں گا باس چاہے کچھ بھی ہو۔ اگر دب د جنگ میں میرا قیمة بھی ہو جاتا

تھی تو رواہ نہ ہوتی۔ مگر انہوں نے چھپ کروار کیا تھا۔"

"کرکہ نمبر اٹھاون... کرکہ نمبر اٹھاون...!" جوزف زیر لب غرما تھا ہوا تیسری منزل کی

رہا۔ اربوں میں دوڑتا پھر رہا تھا۔

”چھوٹ... اب آواز لگی تو اسی طرح کوئی گولی تمہارے دل میں اتر جائے گی۔“

”نہیں... نہیں... نہیں!“ چینے والا ہکلایا۔

”تم نے دھونکے سے حملہ کر کے میری سخت توبین کی ہے۔“

”تم کچھ... لگ... کچھ نہیں جانتے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”غلط فہمی کے بچے میرے پاس کالا جادو ہے۔ اُسی نے مجھے کہہ نبرانہوں کے مغلق اطلاع

دی ہے اور میرا کالا جادو کہتا ہے کہ تم نے لڑکی کو عسل خانے میں بند کر کھا ہے۔“

اُن کی نظریں بے اختیاری میں عسل خانے کے دروازے کی طرف انجھ گئیں۔

”میں جھوٹ نہیں کہتا... اُسے نکالو!“

”تم بالکل نہیں سمجھے تم کیا کہہ رہے ہو۔“

”اصحاتاوب تم سن جاؤ!...“ جوزف نے دوسرے کو گھوستے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں... نہیں... نہیں...“

”نکالو... جلدی!... تم دونوں چلو دروازے کی طرف... اباؤث ٹرن۔“

”عسل خانے کے دروازے کی طرف گھوم گئے۔

”کوئی بیڑا...“

”میر دروازے سے گلڑاتے گلڑاتے بچ۔

”... دروازہ کھولو!...“

”اندر کوئی نہیں۔“

”دروازہ کھولو!...“ جوزف نے ایک کی کمرپلات رسید کرتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے

تک اکارکر لاملا اور دوسرے نے جلدی سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا لیکن ”ل نہانہ خال تھا۔

”تم میں سے ایک اندر جائے۔“ جوزف غریباً اور قبل اس کے کہ پہلے لات کھانے والا قدم

بھٹاکا پہلے ایک لات کر کر پکھا کر عسل خانے میں چاپا۔ جوزف نے روی اور کارخ دوسرے کی

طرف کئے ہوئے دروازہ کھج کر باہر سے عکسی چڑھا دی۔

اب پہاں اُس کے سامنے ایک ہی رہ گیا تھا۔

”لک، کیا... م... مطلب...!“ وہ ہکلایا۔

”مارے گا نہیں...؟“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں بس خدا کے لئے مجھے مت رہ کو۔“

”جاو...!“ وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ لیکن شرط ہے کہ خون خراپ نہ ہو اور

نہ کسی کی ہڈی توٹے۔“

”چلو... ہی کی... احتیاط سے ماروں گا۔“

جوزف دروازہ کھول گریا اور اپنی پشت پر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

سامنے والے کمرے کے دروازے پر رک کر مڑا۔ جس کرنے سے نکلا تھا اس کا دروازہ بند ہی تھا۔

اس نے سامنے والے دروازے پر دستک دی۔ قتل کے سوراخ میں روشنی نظر آری تھی۔

”کون ہے۔“ اندر سے کسی نے پوچھا۔

لیکن جوزف نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر دستک دی۔

”آ جاؤ... دروازہ مغلن نہیں ہے۔“

جوزف نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا۔

سامنے دو آدمی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اس سے پہلے شاید پیتے بھی رہے تھے کیونکہ یخ

فرش پر سوڈے اور وہ سکی کی خالی بو تیلیں پڑی نظر آری تھیں۔

جوزف کو دیکھتے ہی ان کے منہ حرمت سے مکمل گئے۔ جوزف کے ہول ستر سے روی اور نکل آ

تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

جوزف نے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ ”لڑکی کہاں ہے؟“

”کیسی لڑکی... کون ہو تم... کیا چاہیے ہو...!“ اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”لڑکی... جلدی بتاؤ... اور وہ تھیمار بھی نکالو جس سے تم نے میرا سر پھاڑا تھا۔“

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔

”دیکھو خیشو... یہ رویا بے آواز ہے... پہ دیکھو۔“ جوزف نے ٹریگر دبایا اور ایک

آدمی کے حلق سے ہلکی سی چیز نکل گئی۔ بنے آواز گولی اس کے بغل کے نیچے کوٹ سے رگڑ کھالی

ہوئی دوسرا طرف نکل گئی تھی۔

خطا نے میں بند تو کر دیا تھا لیکن اس دروازے پر اُس کی نظر نہیں پڑی تھی جو غالباً برادر کے کمرے میں کھلتا تھا۔ اب بھی وہ دروازہ اُسے بند ہی نظر آیا۔ اُس نے تیزی سے ادھر کے دروازے کو بند کر دیا اور عکسی چڑھادی۔

بیوں آدمی پر نظر ڈالتا ہوا بوجہ نکالی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جو زفیر پیدائشی سپاہی اور سخت جان قسم کا جنگجو تھا۔ لیکن عمران کی صحبت نے اُسے اتنا محاط تو

نہیں ایسا تھا کہ وہ غسل خانے کے دوسرے دروازے کو کھولنے کی حماقت نہ کر بیٹھتا۔
لکرنے سے باہر نکل کر اس نے شکاریوں کے زخمے میں گھرے ہوئے کسی درندے کے سے
دروازے میں چاروں طرف دیکھا اور اس کمرے کی طرف توجہ دیئے بغیر جہاں عمران سے ملاقات
بیرونیں بھی آگے بڑھ گیا۔

تیری منزل کے زینوں سے اتر کر دوسری منزل پر آیا۔۔۔ پھر بہاں سے زینوں کی طرف
لے کر رہا تھا کہ رہائش سے مدد چھڑ ہو گئی۔

الرَّفِيفُ وَرَأَيْتَ كَيْمَانَ...!“ وَهُوَ غَرَّاتِاً هُوَا آنَّكَ بِرَدِّهِتِا جِلَّا لَكَمَا

"خیلی خوب... جو زف... ... خیلی خوب..."

کیلے۔“ وہ کر جلانے ہوئے انداز میں مڑا

"کیا تمہیں ٹم ہے کہ تمہارے سر سے خون بہر رہا ہے۔"

بھی رہا ہو گا.....؟“ وہ زینے طے کر کے پہلی منزل پر چار با تھا۔

رٹاں کے پچھے پچھے اترتی رہی۔

بیکھر کر کھد دیر بعد جب وہ اپنے کرسی کی طرف جا رہا تھا ریٹانے اُسے دو بازہ روکنا شاچا ہے۔
”ذولومت... مجھے جانے دو۔“

”ارٹے میں زخم سڑھائے گا۔“

”تو تمہارا کیا بگزے گا۔“ اُس نے خنک لمحے میں کہا۔

"اچھا جھا... جاؤ... میں تمہارے لئے دکھی ہوں۔" ریٹا کھسا کر پولی۔

جو زف نے اندر ردا خل ہو کر زور دار آواز کے ساتھ چڑھا کر روانہ بن دیا۔

جو زف نے دانت نکال دیے اور پہ شفقت لجھے میں بولا۔ ”اگھی بتاتا ہوں تم اپنے دونوں ہاتھ انھائے دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ... چلو... یوں نہیں... منہ دیوار کی طرف کرو... ٹھیک ہے۔“

اُس نے ریو الور اُس کی سکر سے لگا کر جامہ بلاشی لی۔ پھر اپناریو الور جیب میں ڈال کر بولا۔
”ہاتھ نیچے گرالو... اور سیری طرف مڑ جاؤ۔“

وہ سہی ہوئے انداز میں مر اور ایک بار پھر جوزف کے دانت نکل پڑے۔
 ”آخر... آخر...!“ وہ ہکلایا۔ ”تھت... تم... چاہتے کیا ہو...؟“
 ”میں تمہیں پہنچا چاہتا ہوں... اگر تمہارے حلق سے ذرا سی بھی آواز نکلی تو پھر قتل بھی
 کر دینا چاہوں گا۔“ جوزف نے کہا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پہنچا شروع کر دیا۔

اُدھر پیٹے والا بھی اُسے خالی ہاتھ دیکھ کر شیر ہو گیا اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کرنے لگا۔
”اوہ....!“ جوزف نے جھرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”باقاعدہ طور پر فائیٹنگ کرو گے، لویہ

گونہ رہتے ہی مقابل کنی فٹ کے فاصلے رجارتا۔

”اٹھو... اٹھو...!“ جوزف ہاتھ پلا کر بولا۔ ”ابھی دوسرے سے بھی نہیں۔“

لیئے ہی لیئے اُس نے اگالد ان اٹھایا اور جوزف پر کھنچ مارا لیکن وہ بے خبر تو نہیں تھا۔۔۔ جھکائی دے کر صاف بیجا گیا۔

”اب تو میں پیر بھی استعمال کروں گا۔“ جو زف نے کہتے کہتے چھلانگ لگائی اور اُس کے سر ر

ٹھوکر لگاتا ہو ادوسی طرف نکل گیا۔ پھر پلتا اور اسے ٹھوکروں ہی پر رکھ لایا۔

بھر جیسے ہی اُس نے کراہنا شروع کیا جو زف غریلایا۔ ”کھوپڑی میں گولی ہی اتار دوں گا اگر آواز نکلی۔“

اسکے بعد وہ اسے لے دردی سے پیٹھا را اور وہ خاموشی سے مٹتے نہیں بالآخر بھوڑ ہے تو ہو گتا۔

جوڑ نے اسے جھک کر دیکھا اور دانت نکال دئے۔ پھر وہ عشل خانے کے دروازے کا

ساجدہ اس وقت ایک صاف سترے ڈرائیکٹ روم میں بیٹھی چاہے پی رہی تھی۔ بظاہر اتنی ہی بشاش نظر آرہی تھی جیسے اُس کے ذہن میں اس قسم کا کوئی سوال ہی نہ ہو کہ یہاں تک کیسے پہنچی ہو گی۔

ایک خوش اخلاق آدمی میزبانی کے فرائض انعام دے رہا تھا۔ ویسے ابھی تک معاملے کی بات نہیں چھڑی تھی۔

ساجدہ کو بُس اتنا ہی یاد تھا کہ اُس نے ہوٹل کے کمرے میں ان دونوں کی پیش کی ہوئی چاہے پی تھی اور تھوڑی دیر بعد اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

”ہمیں اپنی غلط فہمی پر بے حد افسوس ہے من جیب۔“ دفاتر میزبان نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اجمن والوں کی غلط فہمی رفع کر سکی اور اب میں اُس مردوں کو بتاؤں گی کہ یہ قوف کیسے بنایا جاتا ہے۔“

”وہ کس طرح تھرمد...؟“

”اوہ...!“ ساجدہ مصطفیٰ بات انداز میں بولی۔ ”آن لوگوں نے اُن کا تعاقب ضرور کیا ہو گا جو مجھے یہاں لائے تھے۔“

”مطمئن رہئے تھرمد آپ اس طرح لائی گئی تھیں کہ کسی کو کافی بھی نہ ہوئی ہو گی۔“

”بھلاکی کیسے ممکن ہے؟“

”آپ یہوش کی گئی تھیں۔“ میزبان مسکرا کر بولا۔ ”آپ کا بیذل ہنا کر باور پی خانے پہنچا دیا گیا تھا... اور وہاں سے ایک دینا اس بیذل کو یہاں تک لا لائی تھی۔“

”بے حد چالاک لوگ ہیں۔“ ساجدہ سر ہلا کر پر تشویش لجھے میں بولی۔ ”آخر انہوں نے میرا میک اپ ایسا کیوں کیا تھا کہ میں بہ آسانی پہچان بھی لی جاؤں۔“

”ہاں یہ بات قابل غور ہے۔“ میزبان کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نظر آئے اور کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے انہیں یہی نہ معلوم ہوا کہ آپ اتنی دیر تک اُسی ہوٹل میں رہتی تھیں۔“

”ایسا ہی ہوتا ہے۔“ ساجدہ کی آواز کا نپ رہی تھی۔

دفتار کی دوڑ افراہہ حصے سے دروازہ پیٹھے کی آواز آئی اور میزبان اس طرح چونکہ پڑا جیسے ہو اُنہوںی ہو۔

”ایک منت محترم... میں ابھی حاضر ہوں۔“ وہ مصطفیٰ بات انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔ ساجدہ اسے کر بے سے جاتے دیکھتی رہی۔

جنت ابھیں میں تھی کہ اب کیا ہو گا۔ انہیں اس کی باتوں پر یقین آگیا ہے یا نہیں! اگر نہیں تو اکابر تک وہ محض اس لئے زندہ رہنے والی تھی ہے کہ انہیں اُس سے عمران کا سراغ ملنے کی ایسی ہے؟ پچھے بھی ہو وہ توار کی دھار پر سے گذر رہی ہے۔

اُس کی نظر آمد و رفت کے دروازے پر تھی۔ اچانک میزبان آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر ابھی کے آثار تھے۔

”اُنہیں خبر ہو گئی ہے۔“ اس نے یوکھائے ہوئے انداز میں کہا۔ ساجدہ پچھے بولی نہیں۔ سوالیہ نظر وہ دیکھتی رہی۔

”مریزاں نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔“ تیکرو نے ایک کوشیدجی جان ہی سے بار دیا۔ دوسرا بلطف اپنے کر بھاگا ہے۔ آپ کا خیال بالکل صحیح تھا۔ انہوں نے ان کی نقل و حرکت پر گمراہی رکھی تھی اور شکر اور اُس کرے تک ہر گز نہ پہنچ سکتا۔“

”کس سے اطلاع ملی۔“

”اُنہیں میں سے ایک یہ اطلاع یہاں لایا ہے جنہوں نے آپوں کے پچھے سے رہا اور لائی تھی۔“ ”بھارت... کھلی ہوئی حالت۔“ ساجدہ میز پر گھونسہ مار کر بولی۔ ”اگر پہلے وہ مجھ سکب نہ پہنچ سکے تو ان کے اب پہنچ جائیں گے۔ آخر سیدھا تینیں کیوں دوڑا آیا۔ وہ آؤں اس کی اطلاع فون پر کیوں کرے سکتا تھا۔“

”دراعت میں وہ بہت زیادہ خاکہ ہے۔ تیکرو کسی خوب خوار درندے کی طرح دوسرا بھائیہ ملا تھا۔ تباہا وہ باری باری سے دونوں کو مارنا چاہتا تھا اس لئے ایک کو غسل خانے میں بند کر دیا۔“

”جسکا لیکن وہ دوپہرے کروں کا مشترکہ غسل خانہ تھا اور دونوں کرے انہی کے قبضے میں تھے اس لئے دوسرے اکلن بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔“

”بُس تو پھر وہ جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔“

”یعنی... یعنی.... کیا مطلب...؟“ میزبان کسی قدر خوفزدہ بھی نظر آنے لگا تھا۔

”ارے یہ سب کچھ کسی سو بھی سمجھی اسکم کے تحت ہوا ہو گا۔ نیگر و کسی گینڈے کی طرح مضبوط اور سخت جان ہے۔ اُس نے یہ سوچ کرتی ایک کوشل خانے میں بند کیا ہو گا کہ وہ دہاں سے فرار ہو جائے۔ پھر وہ دیکھیں کہ بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔ ایک کوبند کر کے دوسرے کو پیٹے کا کولی جواز ہی نہیں جب کہ وہ ان دونوں کو ساتھ ہی پیٹ سکتا تھا۔“

”اوہ.... اوہ.... یقیناً سیکھی بات ہو گی۔ پھر اب کیا کیا جائے۔“

”سیرے با تھے بیرون پاندھ کر نہیں ظال دو اور خود فرار ہو جاؤ۔“

”کیوں.... کیوں....؟“

”اوہ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ اس طرح میں پھر ان میں واپس چل جاؤں گی اور مجھ پر ان کا اعتبار بدستور برقرار رہے گا۔ پھر میں دکھلوں گی کہ اجمن کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔“

”بالکل ٹھیک ہے محترمہ.... بالکل ٹھیک ہم آپ سے رابطہ قائم رکھیں گے۔“ میزبان نے کہا اور تیزی سے کمرے سے چلا گیا۔ پھر واپسی میں بھی دیر نہیں لگائی اُس کے ہاتھ میں روشنی کی ذور کا پچھا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ساجدہ کے ہاتھ بیرون پاندھ دینے اور بجائت سے بولا۔ ”مجھے افسوس ہے محترمہ....!“

”اوہ.... جلدی کرو.... عمارت خالی کرو۔“

ذر اسی کی دیر بعد وہاں قبرستان کا ساستا چھما گیا۔ ساجدہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جائے صوفے پر پڑی رہی۔ اُس کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔ پھر اسی صورت میں تو وہ اسی طرح بندھی پڑی رہ چاہی۔ اوہ نہ دیکھا جائے گا۔ اُس نے سوچا۔ اگر وہ اتنے ہی احتیاط ہیں کہ اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں تو پھر وہ کہاں کیا سکیں گے.... ویسے جو زفہ کے ہاتھوں اس طرح ان دونوں کی پٹائی عمران ہی کی فکر کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اس ایک کوشل خانے میں بند کرتے وقت دوسری طرف کا دروازہ نظر انداز تو ہیں کیا جاسکتا۔ لہذا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ دوسری آدمی فرار ہو جائے.... اور دوسرے آدمی کے فرار کا مقصد ہیں ہو سکتا ہے کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔ پھر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے اس کا تعاقب کیا ہو گا۔

وفعاتہ چونک پڑی۔ یقیناً کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔ پھر قدموں کی چاپ صاف نشائی دیئے گئی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور عجیب سا پھرہ دکھائی دیا۔ لیکن عجیب سا کیوں؟ وہ تو کوئی نقاب پوش تھا۔

اُس نے صوفے کے قریب آکر اُس کے ہاتھ پر کھولے اور بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔ ”باہر سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار موجود ہے۔ غالباً تم ڈرائیور کر سکتی ہو۔“

”تم کون ہو....؟“

”وقت نہ ضائع کرو۔“ وہ دروازے کی طرف ہاتھ انداز کر تھامناہ لجھے میں بولا۔ آواز ساجدہ کے لئے بالکل نہیں تھی۔ پھنسی پھنسی بھرا تی ہوئی آواز۔

”مجھے کہاں جانا ہو گا....؟“

”میکنی میں اتنا پڑول موجود ہے کہ تم صح نک شہر میں چکر لگا سکتی ہو۔ کہیں کسی جگہ بھی تمہیں تادیا جائے گا کہ کہاں جانا ہے۔ جلدی کرو.... اس دروازے والی راہداری کے سرے پر صدر دروازہ ہے۔“

شہر کی سڑکوں پر مارے پھر نے کامقصد اُس کی سمجھ میں نہ آسکا لیکن کرتا وہی تھا جس کے لئے کہا گیا تھا۔

عمارت سے باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ سڑک کی دوسری جانب سرخ رنگ کی اسپورٹ کار کھڑی دکھائی دی۔ اُس نے اطمینان سے سڑک پار کی اور گازی کا دروازہ کھول کر اسٹریٹ کے سامنے بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ کہاں جائے اس کا بھی تو خطرہ تھا کہ کہیں ٹریکٹ پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ پوری طرح شیر دیکھنے کا اتفاق آج تک نہیں ہوا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ ٹریکٹ کے کسی قانون کی خلاف ورزی ہی سرزد ہو جائے۔ ایسی صورت میں اُس سے ڈرائیور گ لائن کا مطالبہ بھی کیا جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گی.... اوہ نہ۔ اُس نے سوچا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں وہ کھلوانا بن کر رہ گئی ہے وہی اس پر بھی نظر رکھیں گے۔ اب تو زندگی طوفان کی نذر ہو ہی چکی ہے۔ کسی بھی دوسرے لمحے کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اُس نے لاپرواں سے شانوں کو جبکش دی اور اجمن اشارث کر دیا۔ عقب نما آئینے کی پوزیشن تبدیل کرتے وقت وہ سوچ رہی تھی کہ اجمن والے بھی اتنے حق نہیں ہو سکتے۔ اُس کا تعاقب ضرور کیا جائے گا۔

دفعہ دلیش بورڈ کے کسی حصے سے آواز آئی...: ”پروانہ کرو۔ چلتی رہو۔“ اور یہ آواز سو فصد عمران ہی کی تھی۔

ساجدہ کا دل دھیر کنے لگا۔ اُس کی آواز اُس کا مخصوص لمحہ...!

ساجدہ کے ذہن میں وہ خوشبو انگرائی لینے لگی جس کا تجربہ اُسے عمران کی موجودگی میں عموماً ہوتا رہتا تھا۔ پہ نہیں وہ کسی مخصوص قسم کا سیف استعمال کرتا تھا یادہ خوشبو قدرتی طور پر اُس کے وجود سے تعلق رکھتی تھی۔

”تم مجھ سے گفتگو بھی کر سکتی ہو۔“ آواز بھر آئی۔

”تم کہاں ہو.... عمران...!“ اُس نے بے ساختہ پوچھا۔

”یہ نہیں بتاؤں گا.... فی الحال۔“

”میں کیا کروں....؟“ ساجدہ نے پوچھا۔

”جو کچھ کہا گیا ہے؟“ جواب ملا۔

”وہ کون تھا....؟“

”مجھے نہیں معلوم...!“ جواب ملا۔

”کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے تم نے اور پھر یہ مصیبت بھی نہ معلوم ہو اگر تم روز ملتے رہو۔“

”یہ تو مصیبت ہے۔“

”اوہ تو یہ مصیبت ہے تمہارے لئے۔“

”بالکل ہے.... اسی لئے میں نے شاعری شروع کر دی ہے ایک شعر سنو۔ ابھی ابھی کہا ہے.... کچھ لاکیاں مجھے گھورتی ہوئی قریب سے گذری ٹھیں۔ کہا ہے۔“

اے زہرہ جینو مجھے اس طرح نہ دیکھو

میں ہوں تو تماشا مگر اتنا بھی نہیں ہوں“

”اوہ.... تو تم محسوس کر سکتے ہو کہ تمہیں کوئی گھور رہا ہے۔“ ساجدہ نے پوچھا۔

”بھنی گھورے جائیں گے تو خضور محسوس کریں گے اُن میں مجھے ایک چھوٹے قد کی لڑکی بہت ابھی گلی تھی، جو غالباً گاؤں پہنچنے بغیر گھر سے باہر نہیں ٹکتی۔ میرا خیال ہے کہ تم ابھی اپنے چست لباس پر گاؤں پہنچنے بغیر باہر نہ نکلا کرو۔“

”تم مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش کیوں کر رہے ہو۔“

”پھر بتاؤ کیا کروں....؟“

”تم نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کس حال میں ہوں....؟“

”پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ میں تمہارے حالات سے ہر وقت باخبر رہا ہوں۔“

”تو یہ کلوٹے والی اسکیم تمہاری ہی تھی۔“

”ہرگز نہیں.... یہ اُس کی اپنی جدت تھی.... اُس کا لکھوڑی میں بعض اوقات بڑے زور کی بھلی چکتی ہے۔“

”اب مجھے کیا کرنا ہے۔“

”پھر لگاتی رہو۔“

”مقصد کیا ہے.... اُس کا....!“ وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

”اچھا بُس.... بقیہ پھر....!“ دلیش بورڈ سے عجیب طرح کی سرسر اہم سنائی دی اور پھر سنائی چھا گیا۔ ساجدہ عمران کو پکارتی ہی رہ گئی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

بُرا سامنہ ہتا کہ اُس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اتنی دیر میں ایک بھی کام کی بات نہ ہو سکی۔ وہ اُسے شاعری اور لڑکیوں کے تذکرے میں الجھائے رہا تھا۔ وہ اور شاعری۔ عمران اور لڑکیاں؟ مصلحہ خیز.... پہ نہیں اُس کی دلچسپیاں کیا ہیں۔ اُس کی جگہ کوئی دوسرا نوجوان ہوتا تو اب تک.... تواب تک پتہ نہیں کیا ہو چکا ہوتا۔



”اوہ کیا ہو گیا ہے مجھے۔“ صبح نے سکنے پر ہاتھ مار کر بلند آواز میں غالباً سوچا ہی تھا پھر اٹھ بیٹھی تھی۔ نام پیش تین بجاء رہا تھا۔

وہ ٹھیک دس بجے سو جانے کی نیت سے لمبی تھی لیکن ابھی تک تو آئی نہیں تھی نیند.... خیالات کا تار تھا کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

ابھیں.... ابھیں.... کیا کرنے؟ کس سے کہے....؟ اور یہ آدمی.... یہ بہر و پیارہ نہیں کس چکر میں ہے۔

وہ منے ڈرائیور کے متعلق سوچتی رہی۔ خود اس کے لئے وہ ابھی تک بے ضرر ہی ثابت ہوا تھا۔ اس کا یہ شبہ بھی خود اس نے ہی رفع کر دیا تھا کہ وہ اسے بیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر اگر وہ ان مصلحہ خیز حالات میں اس کے گھر تک نہ پہنچا ہوتا تو کہا جا سکتا کہ کسی خاص مقصد کے تحت وہ اس کے خاندان سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

ابھیں بڑھتی ہی رہی۔ بیتر سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ لان پر بلجاس انڈھیرا اسٹل تھا۔ آج تو شاید مسلسل جھائیں جھائیں کرنے والے چینگر بھی سو گئے تھے۔ عجیب سامانات فضا پر طاری تھا۔

وہ یونہی غیر ارادی طور پر بخوبی کے بل اوپر اٹھ کر مہندی کی باڑھ کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں مالی کی کوٹھری تھی۔ لیکن باڑھ کی اوپرچاری بدستور دکاوٹ نہیں رہی اور اسے خواہ مخواہ غصہ آگیا۔ آخر اتنی اوپرچاری لگادینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ پیلا بھی کریک ہیں.... پتہ نہیں اجلاس کیسے کرتے ہوں گے۔ بات کرنے کی تو تمیز ہے نہیں۔ گھر پر کوئی عزیز آجائے تو اس طرح دانت نکال کر پیشوائی کریں گے جیسے اس کی آمد کے منتظر ہی بیٹھے رہے ہوں۔ وہ بات کرنے کا تو آپ سرہا بہلکر ”جی ہاں.... اور کیا... بھلا دیکھئے۔“ کرنے رہیں گے۔ پی۔ سی۔ ایس کے دیگوں..... اسی میں کیا کیا ہو گا۔ ضرور دادا باکی سفارشیں کام آئی ہوں گی۔ ورنہ یہ حضرت تو کلر کی کے قابل بھی نہیں تھے۔ زرینہ اس دن کہہ رہی تھی کہ تمہارے پیلا چاہے کچھ لگتے ہوں ڈپٹی گلکھر تو ہر گز نہیں لگتے۔

اوہ نہ ہے یہ پیلا کھاں سے آگو ہے۔ سوال تھا اس مردوں کا جس کا نام اختر ہے۔ اور اختر کے پچھے تم کون ہو۔ آخر یہ سہروپیا پن کس لئے۔ ارے غصب... کہیں سی۔ آئی۔ ذی کا آدمی نہ ہو.... اس کا تو خیال ہی نہیں آیا تھا۔ پہلے ہی رشتہ کے معاملے میں پیلا بڑے بیباک واقع ہوئے ہیں۔ دوست شاید ہی کوئی ہو۔ دشمن ہزاروں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان کی بھی اسکریننگ ہو رہی ہو۔ اچھا تو بیٹھیے سی۔ آئی۔ ذی والے تمہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔ پیلا کو بات کرنے کی تمیز ہو یانہ ہو لیکن ان کی بیٹھیں ضرور دیکھ لے گئی اور پیلا بھی اتنے گھاٹر تو نہیں ہیں۔ اتنا سارا وقت لکھنے پڑھنے ہی میں گذر رہے۔ قلم کے پکے ہیں۔

اس نے کمرے کا دروازہ ٹکھو لا اور چپ چاپ رہا۔ اسی میں نکل آئی۔ اب صدر دروازے کی

طرف جا رہی تھی۔

بہ آہنگی دروازہ کھول کر برآمدے میں آئی اور غیر ارادی طور پر قدم لان کی طرف اٹھتے رہے۔ بس وہ چلی جا رہی تھی.... کچھ سوچے سمجھے بغیر.... اور جب مالی کی کوٹھری کے قریب پہنچ گئی تو خیال آیا کہ وہ کیوں آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟

اس سوال پر وہ اسی طرح جو گئی تھی جیسے کسی نے بے آواز بلند یہ سوال کیا ہو؟ دروازے کی درزوں سے کیروں سین لیپ کی زد شنی پھوٹ رہی تھی۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ وہ پلٹگزی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اتنی رات گئے اب تک جاگ رہا ہے۔ صبح نے سوچا۔

وہ اس وقت ڈرائیور والے بد نامیک اپ نہیں تھا۔ اتنی معمومیت تھی چھرے پر۔ غالباً معمومیت کی بہتانی نے حمایت کاروپ دھار لیا تھا۔

بالکل بے ضرر.... بالکل بے ضرر.... صبح نے سوچا۔ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کبھی نہیں.... لیکن.... لیکن؟

اُسے وہ آدمی یاد آگیا جسے اس نے صرف گھوٹوں اور لاتوں سے ادھ مر اکر دیا تھا اور پھر وہ ہسپتال میں مر رہی گیا تھا۔

کون ہے یہ؟ کون ہے یہ؟ ادھ خدا.... اب کیا ہو.... یہ بیباں سے کیسے جائے گا۔ جب پیلا آجائیں گے تین کیا ہو گا۔

غیر ارادی طور پر اس نے دروازے پر چکی ذی اور اسے چوکلتے دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ چھرے کی معمومیت لکھت غائب ہو گئی ہے اور آنکھوں میں ایسی ہی چک نظر آ رہی ہے جیسے.... جیسے.... کوئی تمیز یاد نہ آسکی لیکن چڑیا گھر کا وہ چھٹا ضرور یاد آگیا جسے ایک بار اس نے ایک لوڑی کو دیوچے دیکھا تھا۔

لوڑی کسی طرح اپنے کٹھرے سے نکل کر بدھواہی میں چیتے کے کٹھرے میں جا گھسی تھی اور چھٹا اس پر چھپت پڑا تھا۔ صبح کو اچھی طرح یاد نہیں تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا لیکن چیتے کی آنکھیں اس کے ذہن میں جنم کر رہے تھیں۔ پھر جب بھی وہ ان کا تصویر کرتی پورا جسم مل کر رہ جاتا۔ اور اس وقت بھی کانپ کر رہ گئی تھی۔ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ اسی قسم کا احسان ذہن کے کسی گوشے میں جاگ اٹھا جیسا اس چیتے کی آنکھوں کے تصور سے بیدار

”تم ہی نے مجھے اس جھال میں پھنسایا ہے۔“

”مجھے یہ بتاؤ کہ اس نے تمہیں دھمکیا کیوں تھا...؟“

”میں کیا جاؤں۔“

”بہر حال وہ کچھ کر گزرنے کا رادہ رکھتا تھا۔“

”پتہ نہیں۔“

”کوئی بھی شریف آدمی اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا۔“

”تم کیوں چھپ گئے تھے ذنکے میں... میرے ساتھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ڈکے میں چھپتے وقت تو بے ایمانی ہی تھی دل میں۔“

”میں یا مطلب...؟“

”سوچا تھا کہ کسی جگہ موقع ملنے پر انہیں میں کچھ گھپلا کر دوں گا۔“

”کیوں...؟“ صیبھ نے غصیل آواز میں پوچھا۔

”تاکہ پھر تمہیں پریشانی میں بٹلا دیکھ کر تمہاری مدد کرتا اور تمہیں اپنا ممنون احسان بنا کر تمہارے لیے ملازمت حاصل کرتا۔“

”آخر کیوں؟ تم یہ فراہم کیوں کرنا چاہتے تھے؟“

”پیٹ پالنے کے لئے۔“

”غلط... قطعی علط... میں سب سمجھتی ہوں۔“

”یا سمجھتی ہو۔“

”نہیں بتاتی۔“ صیبھ کو غصہ آئے لگا تھا۔ کیونکہ اب اس نامقوقل آدمی کی آنکھوں میں حماقت آئیں سمجھدی گی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”نم بتاؤ... لیکن اب جاؤ۔“

”نہیں جاتی... یہ کوئی سیری ملکیت ہے۔“

”اچھی بات ہے... تم تعریف رکھو اپنی ملکیت میں۔ میں اندر جا کر تمہارے کمرے میں سو جاؤں گا۔“

”میں تو کروں سے بے تکلف ہو ناپسند نہیں کرتی۔ خاموش رہو۔“

ہو جاتا تھا۔

پھر وہ بڑی احتیاط سے چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور بے آہنگی پوچھا۔ ”کون ہے۔“

”صیبھ...!“ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”کیا بات ہے۔“ دروازہ کھولے بغیر اس نے اندر ہی سے پوچھا۔

”ور... دروازہ کھولو...!“

”کیوں...؟“ اندر ہی سے پوچھا گیا۔

”صیبھ کو کوئی جواب نہ سمجھا بس یو نبی کہہ بیٹھی۔“ ”مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“

”کیا دروازہ کھلنے سے رفع ہو جائے گی۔“

”ہاں...!“ یہ جواب بھی بس زبان ہی سے لکھا تھا۔ ذہن سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

بیکل سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ صیبھ نے ڈستے ڈستے اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

لیکن اب وہاں پھر حماقت کے ڈو گرے برس رہے تھے۔ آنکھوں میں پھر وہی پہلے کی سی حماقت

آئیں سادگی نظر آرہی تھی۔

”تم کیوں جاگ رہے ہو؟“ صیبھ نے پھر یو نبی سوال براۓ سوال کر دیا۔

”یہی سوال تو میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔“

”میں الجھن میں بتلا ہوں۔“

”اور میں آج تک کسی الجھن میں بتلا ہی نہیں ہوں۔“

”پھر کیوں جاگ رہے تھے؟“

”میں اور ڈینی یاد آگئے تھے؟“

”خدا کے لئے مجھے اس الجھن سے نجات دلاؤ۔“

”کس الجھن سے...؟“

”ازے پوچھتے ہو کس الجھن سے؟“ وہ رہا نہیں ہو کر بولی۔

”میں تو اس الجھن کا ذمہ دار نہیں۔“

”تمہی نے تو اسے مارا تھا۔“

”کتنی بار دیر اوگی... جاؤ سو جاؤ۔“

”بھی مزہ آگیا... کل تک روٹی کو محتاج خداور سوچ رہا تھا کہ کس کی جیب کاٹوں اور آج
ایشی کر پیش پولیس میں بھرتی ہو گیا۔“

”پھر کون ہوتا...؟ پڑے جاؤ یہاں سے۔“

”میں اختر ہوں۔ تم سے خط و کتابت تھی۔ پکڑا گیا۔ پائی ہوئی اور اب بھیں بد کر
تمہارے بیہاں ڈرا نیوری کر رہا ہوں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ چکر عنوانِ قلمی ہی والدین کے ساتھ
کامیاب ہوتے ہیں... جیسی باتی زندگی میں تو گھر لیو تو کر بھی ڈپی کشتری ہی کے خواب دیکھتے
برہتے ہیں۔“

”اوہ... تم تو واقعی ملیک میر ہو۔“

”میں کہتا ہوں اب جاؤ یہاں سے اگر کسی نے اتنی دات گئے تھیں یہاں دیکھ لیا تو...!“

”میں کوئی پچھے ہوں۔“

”نہیں تم تو اپنی نانی سے بھی سیستر ہو۔“

”تم بہت بد تیز ہو۔“

”کھکھو یہاں سے۔ کیوں میری روزی پر لات مارنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کسی کی نظر پڑ گئی
تو اسی وقت نکال دیا جاؤں گا۔“

”صورت دیکھی ہے آئینے میں۔“ وہ کھسیا کر بولی۔ ”تو میں اسلئے آتی ہوں... لفگے کہیں کے۔“

”اُرے تم کسی لئے بھی آئی ہو۔ لیکن دوسرے تو یہی سمجھیں گے۔“

”میں تم سے صرف یہ معلوم کرنے آئی تھی کہ تم سے چھٹکارے کی کیا صورت ہو گی۔“

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے منہ چلا تاہل۔ پھر بولا۔ ”گوہ قاف میں ملکہ کھل
گلگوں پوش کا باغ ہے۔ یقیناً اس باغ کے ایک باوی ہے کہ جس کے گرد اڑھے پھرہ دیتے ہیں۔
اندر اُس باوی کے ایک پیغمبر ہے اور اُس پیغمبرے میں ایک زانگ کہن سال بیٹھا پے درپے صدارتا
ہے اب اگر کوئی ایسا تاک کر تیر مارے کہ مقفار سے گذر کر حلق میں ترازو ہو جائے تو اُھر تو وہ
پر بند مشیزم جل کر خاک ہو جائے گا اور اُھر میں کافی ہاؤز کی راہ لوں گا۔“

”بکواس بند کرو۔ میں تمہارے بھائیوں سے محفوظ ہو نے نہیں آتی تم نے ملازموں سے کہا
ہے کہ یاپانے تھیں بھیجا ہے اب اگر وہ آئی گئے تو کیا ہو گا۔“

”یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔“

”اُرے تو تم زبردستی رہو گے یہاں؟“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

وہ سچ بچ خاموش ہو گیا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ لکلا۔ آخر صبح
ہی بولی۔ ”تم یہاں کس کی ٹوہ میں آتے ہو۔“

”مختصر میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں۔“ کتنی بار یاد دلاؤں کہ آپ کی والدہ محترمہ نے مجھ پر
کمل ڈلوا کر اٹھو امنگایا تھا۔“

”وہ ایک غلط بھی کے تحت ہوا تھا لیکن تم یہ بتاؤ کہ اتنی رات گئے میرے بنگلے کے سامنے
تمہاری موجودگی کا مقصد کیا تھا۔“

”میرے خدا۔“ وہ دانت پیش کر بولا۔ ”میں کیا کروں... تو نے عورت بنائی تھی تو ایک
سائیلنسر بھی فٹ کر دیا کہیں!“

”کیا بکواس ہے؟“

”یا پھر میرے دوست عبد اللطیف کو سرے سے پیدا ہی نہ کیا ہوتا... میں کس طرح یقین
دلاؤں ان محترمہ کو...!“

”بن اب بکواس بند کرو۔ اور حفاظ مراتب کا خیال رکھو... ورنہ...!“

”میں کہتا ہوں جاؤ یہاں سے مجھے سونے دو... ورنہ...!“

”میا کرو گے تم....؟“

”نہیں سوؤں گا؟“ اُس نے مردہ سی آواز میں کہا اور وہ جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی نہ پڑی۔
اور پھر وہ کسی پیچے ہی کے سے انداز میں پھولو بیٹھا ہا۔

”اب میں بتاؤ تم کون ہو؟“

”بے حد معمون ہوں گا۔“ اُس نے جلے کئے لیجے میں کہا۔ ”میکنکہ ابھی تک خود مجھے اطلاع
نہیں مل سکی کہ نہیں کون ہوں۔“

”تمہارا تعلق ایشی کر پیش پولیس سے ہے۔“

”واہ...!“ وہ بچکانہ انداز میں نہ پڑا۔

”میری بات سنو... تم مجھے ٹلو نہیں بنا سکتے۔“

”اس کے باوجود بھی میرا یہاں کیا کام...!“

”ہو سکتا ہے... میرے والد کی اسکرینگ ہو رہی ہو۔“

اس جواب سے وہ اس قدر حماظی ہوا کہ دیر تک بنتا رہا اور صیخ زانت بستی رہی۔

”وہاں.... سہیل کو کس نے مارا تھا....؟“
 ”کس سہیل کی بات کر رہے ہو۔“
 ”وہی جو اکثر تمہارا تعاقب کرتا تھا۔“
 ”اوہ.... اچھا.... وہ سامنے والا لفگا....!“
 ”تو تم نے اپے پٹولیا تھا؟“
 ”ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔ ویسے تمنا تو یہی ہے کہ کبھی ایسا ہو سکے۔“
 ”تم خود کارڈ رائور کر رہی تھیں اس دن۔“
 ”تم ہو کون۔ میں کیوں تمہاری بات کا جواب دوں۔“ وہ جھنجلا کر بولی۔
 ”اس لئے کہ تم صیبت میں پھنس گئی ہو۔ کسی وقت بھی پو پیس اوہڑ کارخ کر سکتی ہے۔
 سہیل ایک آدمی کو اپنا تحریری بیان دے کر مراد ہے۔
 ”کیا وہ بیان میرے خلاف ہے۔“
 ”ندہ ہوتا تو کسی کو علم ہی کیسے ہوتا کہ تم نے اپے پٹولیا تھا۔“
 صیبحہ کچھ نہ بولی۔
 آسی نقاب پوش نے پھر کہا۔ ”بہتری اسی میں ہے کہ اپنے معادوں کا نام بتا دو۔“
 ”میں پوچھتی ہوں تم لوگ کس کی اجازت سے اس کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے ہو۔“
 ”تھیر.... بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ تم کسی خطرات سے دوچار ہو۔“ اس نے کہا۔
 پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ ”کوئی خاص چیز۔“
 ”نہیں....!“ کسی نے جواب دیا۔
 وہ پھر صیبحہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ڈر اجیور.... تمہارا ذرائعہ کہاں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی حال ہی میں تمہارے بیہاں آیا ہے۔“
 ”تمہارا خیال درست ہے.... لیکن میں کیا بتا سکوں گی کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔“
 ”حالانکہ اس وقت بیہاں اس کو ٹھری میں تمہاری موجودگی بہت کچھ بتا رہی ہے۔“ ”غیریہ
 لجھ میں کہا گیا۔
 ”شٹ اپ....!“ صیبحہ کو پھر غصہ آگیا۔
 ”اوچلیں....!“ غالباً اس نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔
 دروازہ کھلا اور وہ تمیوں ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

”اور تمیں تو کیا بھیک مانگتا پھروں گا۔“
 ”پھر کچھ کہنے والی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا
 کسی آواز پر چونکا ہو۔ لیکن صیبحہ نے تو کچھ بھی بھی نہیں ساختا۔
 ”ویٹا اس نے کیرہ سین لیپ بچھا دیا اور صیبحہ ہکلائی۔ ”گل... کیا... ت... تم... گل کیا۔“
 ”خاموش ہو۔“ اس نے ہلکی سی غراہٹ سنی۔ پھر نہیں کہی آواز تھی۔ اس کی تو نہیں تھی
 بہر حال صیبحہ کی ٹھکھی بندھ گئی۔
 دروازہ کھلا اور ایک سایہ تیزی سے باہر ریگ گیا۔ وہ ایک گوشے میں دیکھ کر رہی رہی۔
 کئی منٹ گذر گئے.... لیکن آس پاس کسی قسم کی بھی آواز سنائی دی۔ پھر یہیں یہیک دروازہ
 کھلا اور تین سائے باہر کی نیم تاریک فضا کے پیشِ مظاہر میں اندر داخل ہوتے نظر آئے۔
 دروازہ بند ہو گیا۔ ایک تاریج روشن ہوئی۔
 ”اوہ....!“ آنے والوں میں سے کسی کی تحریز دہ آواز تھی۔
 تاریج کی روشنی صیبحہ پر پڑی اور اسے ایسا محروس ہوا جیسے اس کے اعصاب جواب دے گے
 ہوں۔ آنے والے تین تھے لیکن ان کے چہرے صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔
 ”تم یہاں کیا کر رہی ہو۔“ کسی نے آہستہ سے پوچھا۔ آواز اس کے لئے نہیں تھی۔ سمجھ میں نہ
 آیا کہ کیا جواب دے۔ لہذا خاموش ہی رہی۔
 ”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔“
 ”تم کون ہو؟“ صیبحہ نے کہی ہوئی آواز میں پوچھا۔
 ”کو ٹھری کی علاشی لو۔“ وہی آواز پھر سنائی دی اور دو آدمی تاریج کی روشنی میں اوہڑ اور
 کچھ تلاش کرنے لگے۔ اب صیبحہ نے دیکھا کہ وہ نقاب پوش تھے۔ نقابوں میں پورے جسم چھپے
 ہوئے تھے صرف آنکھیں نظر آئی تھیں۔
 ”آسی آواز نے صیبحہ کو پھر مخاطب کیا۔ ”لڑکی وہ کون ہے؟“
 ”گل.... کون....؟“
 ”وہی جو تمہارے ساتھ تھا اور جس نے سہیل کو زخمی کیا تھا....؟“
 ”وہ.... وہ.... پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔“
 ”پر سوں صبح کی بات ہے جب تم گاڑی لے کر ویرانے کی طرف گئی تھیں۔“
 ”ہاں.... میں گئی تھی.... پھر....؟“

ضیبھ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔ اب پھر فضا پر وہی پہلے کاسا بوجھل ستاناطاری ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اختر کہاں غائب ہو گیا۔ کچھ دیر اُس کی منتظر رہی پھر عمارت کی طرف چل پڑی۔ صدر دروازے سے گذر کر اُسے بند کیا اور اپنے کرنے میں آئی۔

لیکن جیسے ہی مسہری پر اظہر پڑی آگ بگلا ہو گئی۔ اختر تو یہاں پر اسور ہاتھ۔ بے اختیار مسہری کی طرف جھٹی اور سونے والے کواس نبے دردی سے جھنجھوڑا کہ وہ ترب

کر مسہری کے نیچے آپڑا۔

”کہیں نہ ہو سکوں گا...!“ وہ آنکھیں ملتا ہوا بڑی لالہ

”یہ کیا حرکت تھی۔“

”ازے خم نے ذہاں پہنچ کر دشمن کیا تھا تو پھر کیا کرتا۔“

”جاوے... نکلو... ٹلے جاؤ یہاں سے۔“ وہ آہستہ نگر تیز بجھے میں پولی۔

”اب میں جا کر کسی کتوں میں پھانڈ پڑوں گا۔“

”میری طرف سے جنم میں چھلانگ لگادوں نکلو... جلدی ٹلو۔“

”شب پھری۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولتا۔

ضیبھ ڈر رہی تھی کہ کہیں کسی کی آنکھ نہ کھل جائے اس وقت تو یہ بھرو بیڑا ڈرائیور والے بھرد پ میں بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر صدر دروازے کی طرف آئی اور اُسے بولٹ کر کے کرے میں واپس چلی آئی۔



صدر تحریر انداز میں ساجدہ کی کہانی سن رہا تھا۔ اُسکے خاموش ہوتے ہی بولاب۔ ”پھر کیا ہوا؟“
”کچھ بھی نہیں... خواہ جواہ پورے شہر میں پھر اتنی رہی تھی۔ جلواتی بہانے پورا شہر تو دکھ لیا۔ تقریباً ڈھائی بجے رات کو گاڑی کے ٹرانسمیٹر پر ہو گئی تھی۔ بھرائی سی آواز سنائی دی تھی اور مجھے اُس سے ہدایت ملی تھی کہ میں گاڑی کو ہوٹل کے قریب ہی چھوڑ کر اپنے کرے میں چل جاؤ۔“
”کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ آواز اسی نقاب پوش کی تھی جو تمہیں اُس عمارت میں ملا تھا۔“
”سو فیصدی یقین ہے۔“

”ہاں...!“ صدر کسی سوچ میں پڑ گیا اور ساجدہ بنے پوچھا۔ ”وہ کون تھا؟ اُس کا تھکمانہ مجھے نہیں تھا۔“

”مجھے نہیں تھا لیکن کیا کرتی۔“

”پیدہ نہیں کون تھا؟“ صدر نے لاپرواں سے کہا اور سگریٹ سلاکنے لگا۔ ساجدہ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا۔ ”اب میزی سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا پوزیشن ہو گی۔“

”میک اپ میں رہنا فضول ہی ہو گا۔“ صدر بولا۔ ”ہمیں احکامات کا منتظر ہنا چاہئے۔“

”کس کے احکامات کا؟“

”پتہ نہیں۔“

”کیوں ابھی میں ذال رکھا ہے مجھے۔“

”صبر سے کام لو۔“

قبل اسکے وہ کچھ بولتی ترا نسیم پر اشارہ موصول ہوا اور صدر کا نہ پھل سنجھاں کر بیٹھ گیا۔ کوڑوڑا میں کوئی بیٹام تھا۔ اختتام کا اشارہ ملتے ہی اُس نے پھل رکھ دی اور کافی کو اس طرح گھوڑے لگا جیسے سب کچھ لکھ لیتے کے باوجود بھی کچھ نہ کہہ سکا ہو۔

”کیا بات ہے۔“ ساجدہ نے اُسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”وہی حضرت ہیں۔“ صدر نے طویل سائز لے کر کہا۔ ”فرماتے ہیں کہ اب ساجدہ کے لئے بیک اپ میں بیساکر دردی نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اس کے مقابل پھر کچھ پوچھتے تو وہ اُسے بتائے کہ آج شام کوچھ بچے عمر ان اُس سے پیک گارڈن میں ملنے والا ہے اور تم آج شام کوچھ بچے پیک گارڈن میں بچتے جاؤ۔“

”لوکیا وہیں بچتے دہاں ملے گا۔“ ساجدہ نے لہک کر پوچھا۔

”میں کیا بتا سکتا ہوں؟“ صدر کا الجھہ سبے حد تک قہا۔

”محب پچکر ہے؟“

”تو یہ کیا تمہیں یقین ہے کہ ان لوگوں کو تھہارے بیان پر یقین آگیا ہو گا۔“ صدر نے پوچھا۔ ”نہ آیا ہو گا تو اپنا آجائے گا۔ ویسے عمر ان کو یقین آگیا ہے شاید کہ وہ لوگ مجھے جھوٹی نہیں سمجھے۔ ان میں سے کوئی مجھ سے زابطہ ضرور قائم رکھے گا۔“

”ہو گا.... ختم کرو.... میرا خیال ہے کہ اب تم سونا چاہی ہو۔“

”آ... ہاں...!“ وہ جھاتی لے کر بیوی ”یقیناً... پیچھی راست ایک پل کے لئے بھی آنکھ نہیں گئی تھی۔“

صدر پہنچ دیر بعد زیر دنا کیں کا سفری ٹرانسمیٹر سنجھا لے ہوئے باہر چلا گیا اور وہ سونے کے

لئے بس تبدیل کرنے لگی۔ اتنے میں جوزف نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ ”میں آنکھ
ہوں مسی۔“

”بھروسہ...!“ وہ جسم پر سلپینگ گاؤن ڈالتی ہوئی بولی۔

پچھے دیر بعد اس نے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

”بھوسے بے حد افسوس ہے مسی۔“ وہ مسی صورت بنا کر بولا۔ ”میری غفلت کی بناء پر تمہیں
تکلیف اٹھانی پڑی۔“

”بھوسے بے حد افسوس ہے جوزف کہ تم نے میری وجہ سے اتنی مہلک چوتھائی گرم اس کرے
میں کیوں جانگئے تھے کیا اسے مار ہی ڈالا۔“

”اسکی قسمت مسی مر گیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ مار ڈالنے کی نیت سے ہرگز نہیں ملا تھا۔“

”کس نے مشورہ دیا تھا۔“

”کسی نے بھی نہیں مسی۔ بس خصہ آگیا تھا۔“

”دفعۂ پھر کسی نے باہر سے دستک دی... اور جوزف کسی زخمی اور محتاط بھیڑیے کی طرح
آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

”اڑے کیا کوئی ہے بیہاں۔“ باہر سے نوافی آواز آئی۔ زبان انگریزی تھی۔

”کون ہے؟“ جوزف غریل۔

”ریٹا۔“

جوزف نے نہ اسامنے بنا کر طوبیل سائنس لی اور ساجدہ نے اسے اشارہ کیا کہ دروازہ کھول
دے۔ جوزف نے اس طرح دروازہ کھولا کہ کھلتے ہوئے پاٹ کی اوٹ میں ہوتا چلا گیا۔

ریٹا جرا اٹھل اندر آگئی اور دروازے کی طرف مڑ کر مسکرائی۔

”اب بہت محتاط ہو گئے ہو۔“ اس نے جوزف سے کہا۔

”ہوتا چاہئے مسی۔“

”پچھے نہیں اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے۔ آج صبح مجھے عمران کا پیغام ملا ہے۔“
بحالت یہو شی پہنچا پہچایا گیا ہے... ذا کروں کا خیال ہے کہ کسی نے اسے بے دردی سے پیٹا تھا۔

”بد معابر ہوں کا اڈہ ہے یہ ہوٹل۔“ جوزف نے عصیلی آواز میں کہا۔

”اوہ... یہ کون ہیں۔“ ریٹا پہلی بار ساجدہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

”یہ بھی بس کی سکریٹری ہیں۔“

”ہوں... اچھا... کیا تم شام کی چائے میرے ساتھ پی سکو گے۔“
”میں کسی کے ساتھ کبھی کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ کھانا بھی اس طرح چھپ کر کھاتا ہوں کہ
کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔“

”یہ کیوں...؟“

”بس عادت ہے!“ جوزف نے کہا۔ ” حتیٰ کہ شراب بھی چھپ کر پیتا ہوں۔“
یک بیک ساجدہ نے دیکھا کہ ریٹا نے اپنی پشت ساجدہ کی طرف کری ہے اور ایک ہاتھ پیچے
لے جا کر دو انگلوں سے فتح کا شان بنایا ہے۔ ابھیں کے مجرم جو ایک دوسرے سے پوری طرح
واقف نہ ہوں اسی شان کے توسط سے ایک دوسرے کو پیچا سکتے تھے۔

”آپ بپھر جائیے تا... کھڑی کیوں ہیں۔“ ساجدہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”جالانکہ میں آپ
سے متعارف نہیں ہوں لیکن آپ بہر حال میرے کمرے میں آئی ہیں۔“

”اوہ شکریہ۔“ وہ ساجدہ کی طرف مڑ کر مسکرائی۔ ”میں ریٹا جبرا انگل ہوں۔“

”مجھے ساجدہ حبیب کہتے ہیں۔“

ریٹا نے اس سے مصافیہ کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”اب تم باہر جا سکتے ہو۔“ ساجدہ نے اس سے کہا۔

”اوکے مسی۔“ جوزف نے ایڑیاں بجا کیں اور باہر چلا گیا۔ دیے اس کی آنکھوں سے ضاف
ٹاہر ہو چیز اسے ساجدہ کا روپ پسند نہ آیا ہو۔

”مجھے ہدایت ملی ہے کہ تمہاری دیکھ بھال کروں۔“ ریٹا نے آہستہ سے کہا۔
ساجدہ نے عسل خانے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا پھر دونوں اٹھ کر عسل خانے میں آئیں اور
ساجدہ نے دروازہ بند کر کے چھپی چڑھادی اور مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”یہ بہت اچھا ہوا میری سمجھ
میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں کے اور کس طرح اطلاع بھجواؤ۔“

”کوئی خاص اطلاع۔“ ریٹا نے پوچھا۔

”ہاں... آج صبح مجھے عمران کا پیغام ملا ہے۔“

”کیا؟“

”آج پانچ بجے شام کو مجھ سے پیک گارڈن میں ملے گا۔“

”تمہیں یقین ہے؟“

”جو پیغام مجھے ملا تھا میں نے وہ رادیا ملے گا بھی یا نہیں۔ اس کے بارے میں جو حقیقت کے ساتھ

صیحہ دن چڑھے تک سوتی رہی۔ جگائی نہ جاتی تو شاید ابھی بیدار ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا کیونکہ بھر کی اداں سے پہلے آکھ نہیں لگی تھی۔ آکھ کھلتے ہی سب سے پہلے ڈرائیور کا دھیان آیا اور وہ بوکھلا کر اٹھ پڑھی۔ اس نے اچھا نہیں کیا تھا اسے باہر نکال کر؟ وہ لوگ اس کی مزاج پرسی کے لئے تو آئے تھے وہ ہوں گے۔ انہیں اس آدمی کی علاش تھی جس نے نہیں کومار ڈالنے کی حد تک مارا تھا تو پھر انہوں نے اسے کب زندہ چھوڑا ہو گا۔

وہ بے اختیاری میں پیر و فی برآمدے کی طرف بچھی۔... لیکن روشن پر نظر پڑتے ہی اپنی اس بوکھلاہست پر غصہ آگیا۔ وہ تو پڑے اطمینان سے گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔ بھرے پر ایسا ہی سکون تھا جیسے پچھلے کئی دنوں سے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔ نظریں ملتے ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے سلام بھی کیا تھا اور وہ دانت پتھی ہو کی پھر اپنے کرے کی طرف واپس آگئی تھی۔

اس کم بخت کے متعلق اس کے دل کی عجیب حالت تھی کبھی تو ایسا لگتا جیسے وہ اس کے لئے بہت زیادہ فکر مند ہوا اور کبھی اس شدت سے طیش آتا کہ کھڑے کھڑے نکال دینے کو تھی جاہتا۔ کبھی صورت حرام لگتا اور کبھی تو چچی پیرا ہی آنے لگتا اور وہ اس کیفیت سے پیچھا چھڑانے کے لئے اوہر اور ہر کی باتیں سوچنے لگتی۔ آج مطلع ایر آؤ دھلا۔ ہو ایں خلکی تھی۔ بادلوں کے پرے کے پرے آتے اور بڑی دیر تک دھوپ نہ دکھائی دیتی۔ پارہ بچے کے قریب بار بار گاڑی کے ہارن کی آواز آنے لگی اور وہ جھلا کر پھر برآمدے میں نکل آئی۔

اُسے دیکھتے ہی ڈرائیور نے ہاٹ کیا۔ ”انور شی چلنے گا۔“ وہ تیزی سے گاڑی کے قریب آتی اور دانت، پیس کر ہوئی۔ ”توہارن بجائے کی کیا ضرورت تھی۔“

”میں سمجھا شاہزاد آپ پھر سو گئی ہیں۔“ اس نے بڑی مضمومیت سے جواب دیا۔ ”یونور شی کی فکر مجھے ہونی چاہئے تمہیں نہیں۔“

”میں سمجھا.... شاید مجھے بھی ہونی چاہئے۔“ وہ مسمی صورت بنا کر بولا۔ ”تم بہت بڑھتے جا رہے ہو۔“

”نہیں اُب تو نہیں بڑھ رہا۔ عرصہ ہو اطالع ملی تھی کہ قد پورا ہو چکا ہے۔ جی ہاں۔“

”کچھ نہیں کہا جا سکتا۔“ ”کسی قسم کا شبہ تو نہیں ظاہر کیا تمہارے خلاف۔“ ”ریٹانے پوچھا۔“ ”نہیں یہ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ مجھے انہیں کی کوششوں کی بنا پر ہائی ٹیکھے ہے۔“ ”یہ بہت اچھا ہے۔ اچھا باب مجھے اجازت دو۔ میں تم سے رابط قائم رکھوں گی۔“ ”جوزف اور صدر سے ہوشیار رہنا۔“ ساجدہ ہوئی۔ ”تو ہون ہی اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے بہت چالاک ہیں۔“

”تم فکر نہ کرو۔“ ”ریٹانے کیا اور دروازہ کھول کر کرے میں آگئی۔“ پھر وہ سید ہی براہر کے دروازے کی طرف گئی۔ پہنچل گھما کر دروازہ کھولا اور باہر نکل ہی رہی تھی کہ جوزف رکاہٹ بن کر سامنے آگئی۔ اسکے دامت لٹکے پڑتے تھے اور اس کا مطلب تو ساجدہ ہی سمجھ سکتی تھی۔ عام حالات میں لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ اس طرح خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ ”کیا بات ہے۔“ ”ریٹانے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں میں.... باقی باقی۔“ وہ ایک طرف بتنا ہوا بولا۔ ”ریٹا اسے گھوڑتی ہوئی چلی گئی۔ پھر دیر بعد جوزف اندر آیا اور دروازہ بولٹ کرنے کے سامنے سے بولا۔ ”تم نے اسے کبوں روکا تھا میں۔“

”بیں اکیئے میں جی ایجاد تھا ہے۔ سوچا اسی سے وہ تیز ہو جائے۔“ ”ایسی کوئی بات نہ ہوں چاہئے میں باس کا حکم نہیں ہے۔“ ”جاوہ پاکام کرو۔“ ساجدہ جھلانگی۔

”تم جانو۔... وہ کسی سے بھی مردست نہیں کرتا۔“ ”اڑے تو کیا میں اس کے بارپ کی فوکر ہوں۔“ ”وہ آنکھیں نکال کر بول۔“ اس جواب پر جوزف کے ہونٹ صرف میں کر زد گئے۔ اس نے کچھ کہا نہیں۔ لیکن جھرے پر ایسے ہی تاثرات تھے جیسے اس جواب سے گمراہ مدد پہنچا ہو۔

پکھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں مجھے افسوس ہے۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔ میں دراصل ایک ایسا کتاب ہوں جو بالک کے دوستوں اور شمنوں کو بخوبی سوگھے سکتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے.... مجھے افسوس ہے۔“

وہ مغموم انداز میں دروازے کی طرف مڑا اور باہر نکل گیا۔ ساجدہ نے جھلاہٹ میں دروازہ بند کر کے بولٹ کیا اور بست پر آگئی۔

”شٹ آپ...!“

”ایز یو پلینز...!“

”وہ اُسے بدستور عصیل نظروں سے گھورتی رہی پھر غرامی۔“

”کون لوگ۔“

”جہمیں تمہاری جلاش تھی اس حد تک کہ انہوں نے کوٹھری کی باقاعدہ جلاشی لی تھی۔“

”میں نہیں جانتا کون تھے۔“

”تم کوٹھری سے بھاگے کیوں تھے۔“

”سوئے کے لئے لیکن وہ تمہارے کمرے میں بھی نصیب نہ ہو سکا۔“

”دکواں ہے۔ تم نے کسی قسم کی آہٹ حسوس کر کے وہ حرکت کی تھی۔“

”چلو یہی سمجھ لو... اگر وہ مجھے پاجانتے تو کیا سمجھتی ہو کہ کوئی اس سے زیادہ اچھی ملازمت دلوادیتے۔“

”تم ہمیں کسی بہت بڑے جنجال میں پھنساؤ گے۔ انہیں اس آدمی کی جلاش بھی تھی جس نے سہیل کو مارا تھا اگر پیاسا کو علم ہو گیا تو میری شامت ہی آجائے گی۔“

”لیکن یہ تو سوچو کر وہ لوگ جہمیں کیوں بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔“

”اپنی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ووپیہ ایٹھنا چاہتے ہیں تو بھلا میرے پاس کیا ہے اس کے لئے... وہ پیاسا کو بلیک میل کرتے اور مجھے پہلے بے ہرگز نہ مطلع کرتے کہ ان کے پاس میرے خلاف بلیک میلنگ کا کچھ مواد بھی ہے۔ وہ تو پیاسا ہی کے ذریعہ مجھے اس کا علم ہونے دیتے کہ میری وجہ سے انہیں بلیک میل کیا جا رہا ہے اور چونکہ اچانک وہ بات میرے سامنے آئی اس لئے میں اپنے اعصاب پر قابو نہ پاسکتی اور بے درہ ک اعتراف کر لیتی کہ ہاں مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اب تو میں نہایت صفائی سے انکار کر سکتی ہوں بلکہ اپنی صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں کوئی پلات بھی گھر سکتی ہوں۔“

”بہت ذین معلوم ہوتی ہو۔“

”ڈرائیور مسکرا لیا۔“

”لیکن حقیقتاً میں اس معاملے میں خود کو بے حد نرسوس حسوس کر رہی ہوں۔“

”یونیورسٹی چلو گی یا جہمیں۔“

”میں کہیں نہ جاؤں گی۔ خصوصیت سے تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتی۔ وہ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر تمہاری بجائے میرے گولی گلگئی تو کیا ہو گا وہ تھے بھی فلی۔“

”ذکو قسم کے لوگ پھرے نقاب میں چھپائے ہوئے تھے۔“

”خود میری بھیج میں بھی نہیں آتا کہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔“

”تمیک اسی وقت کچھ لوگ چانک میں گھستے چلے آئے۔ ان میں ایک سب اسکپڑ اور دو کا نشیل بھی تھے۔“

”سادہ لباس والوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔“

”پولیس والے ڈرائیور کی طرف چھپئے اور صیبحہ اندازہ ہی نہ کر سکی کہ ڈرائیور کس طرح اچھل کر کار کے اوپر بے گذر تاہو اور سری طرف چلا گیا تھا۔ کار دراصل ایسی جگہ کھڑی تھی جس کے دونوں اطراف میں مہندزی کی بازار تھی۔ لہذا اب ڈرائیور سک پہنچنے کے لئے وہ یا تو وہی کہرتا دکھلتے جو ڈرائیور نے دکھلایا تھا پھر مہندزی کی قد آدم باڑھ چھاگلتے۔“

”جتنی دیر میں سب اسکپڑ گاڑی کے دروازے کی طرف متوجہ ہوتا ڈرائیور کپاڈٹک کی دیوار چھاگل کر نظروں سے اوچھل ہو چکا تھا۔“

”گاڑی کے دروازوں سے گذر کر وہ دیوار کی طرف بھاگتے چلے گئے... عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ گھروالے سبھی برآمدے میں نکل آئے تھے اور صیبحہ دہیں ہکا ہکا کھڑی تھی۔“

”اڑے کیا ہوا... کیا ہے۔“

”بیگم صاحبہ نے چیخ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ مردہ سی چال چلتی ہوئی برآمدے میں آئی۔“

”ڈرائیور کو پولیس نے دوڑایا ہے۔“

”کیوں...؟“

”پڑھ نہیں۔ پولیس والوں کے ساتھ اور لوگ بھی تھے اور انہوں نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کر کے کھا تھا بھی ہے۔“

”پھر کیا ہوا۔“

”ڈرائیور بھاگ نکلا... وہ اس کے تعاقب میں گئے ہیں۔“

”صورت ہی سے ذاکو معلوم ہوتا تھا۔“

”نامی کھر کھرائیں اور زہری نظریوں سے صیبحہ کو گھورنے لگیں۔“

”اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔“

”بیگم صاحبہ سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولیں۔“

”یہ لڑکی جو کچھ تھے۔“

میں سن کر ان کے چہرے پر مالوی بکھر گئی تھی۔

شام کو پہلک گارڈن میں خاصی بھیر رہتی تھی۔ اس کے باوجود بھی بعض حصے بالکل دیران تھے... بہت بڑا باغ تھا۔

ساجدہ وہاں پہنچ تو گئی لیکن سوچ رہی تھی کہ اُسے کہاں ہونا چاہئے۔ پہلی ہی بارہ وہ اس طرف آئی تھی کسی مخصوص جگہ کے لئے ہدایت بھی نہیں ملی تھی، دیے اُسے یقین کاں تھا کہ الجمن کے افراد اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئے ہوں گے۔ انہیں عمران کی تلاش تھی۔ وہ اُس کے خون کے پیاسے تھے۔

وہ سوچ رہی تھی کیا عمران تجھ پر اُس سے یہاں ملے گا؟ یا کوئی اور چکر ہے؟ وہ باغ کے مختلف حصوں میں گھومتی پھری۔ ابھی پانچ نہیں بچے تھے۔ وہ تقریباً میں منٹ پہلے یہاں پہنچ گئی تھی۔

پانچ بجے کیا ہو گا؟ وہ سوچتی رہی اور دل کی دھڑکنیں آہستہ آہستہ تیز ہوتی رہیں۔ اس نے سوچا تھوڑی عقل بھی استعمال کی جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی دیران ہی گوشے میں ملے گا۔ مخالفین بھی یہی توقع رکھتے ہوئے پھر بھرے پرے حصوں میں ٹھلتے پھرنے سے کیا فائدہ۔ وہ ایک دیران حصے کی طرف چل پڑی۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ الجمن کے ان افراد کی تعداد بھی معلوم کر سکے گی جو اس کے تعاقب میں ہوں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ دوبارہ دل کسی تنفس کا پتہ نہ تھا۔

اس نے گھری پر نظر ڈال۔ پانچ بجنتے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی رہی۔

دفعتاً قریب ہی جھاڑیوں میں سرسر اہست ہوئی اور وہ چونک پڑی۔ پھر ایک ہاتھ نظر آیا جس میں سیاہ رنگ کا خوفناک روپ اور تھا۔ اس کا منہ حرث اور خوف سے کھل گیا لیکن وہ فوری طور پر نہ تو پچھے کچھ ہی سکی اور شہ فیصلہ کر سکی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

پھر ایک اُسی روپ اور سے دھوال نکالا تھا کہ ہوا اور وہ چیز کر گر پڑی۔ بد ہوا ہی میں اس کا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ گر پڑنے کے بعد بھی بڑے بے ذمگے پن سے پیچے چارہ ہی ہے... گولی تو گلی نہیں تھی... فائز ضرور ہوا تھا اور اُس نے اپنے کان لے قریب

”میں لائی تھی اُسے....؟“ بیگم صاحبہ پھاڑ کھانے والے لبجے میں بولیں۔ ”میں نے نوکری دی تھی؟“

”اُس کی پیشانی پر تو کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔“ صبیحہ بھی بھجنگلا گئی۔

”اب دیکھ کیا ہوتا ہے۔ پہنچ نہیں قاتل ہے یا ڈاکو۔“

پھر وہ ان کی بک جھک کی پروادہ کئے بغیر سید ہمی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اُس واقعہ سے دل کو اچانک دھچکا سالا گا تھا۔

وہ اُس کے متعلق قطعی نہیں سوچ رہی تھی کہ ابھی پولیس آئے گی اور پہنچ نہیں کس قسم کی پوچھ گچھ کرے گی۔ وہ تو بس ڈرائیور ہی کے متعلق سوچے جا رہی تھی؟ کیا وہ کوئی بہت برا جنم تھا؟ پولیس سے بچنے کے لئے یہاں پناہی تھی؟ یا اُس نک پولیس کی رہنمائی کرنے والے وہی لوگ تھے جنہیں پچھلی رات اُس کی تلاش تھی وہ لوگ تو پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے تھے۔ بھلا پولیس والوں کو کیا پڑی ہے کہ چہرے فقاہوں میں چھپائے پھریں۔

وہ سہری پر اونڈھی پڑی سوچتی رہی تھی۔ وقت کا بھی احساس نہیں رہا تھا۔ پھر دروازے پر دستک سن کر چوکی تھی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تھا اور بیگم صاحبہ غرامی تھیں۔ ”جل اب کر جو اپدھی۔ وہ لوگ ڈرائیگ روم میں بیٹھے ہیں۔ غصب خدا کا ہمارے یہاں پولیس آئی ہے۔“

وہ ڈرائیگ روم میں آئی تھی اور پولیس اسکرٹ نے بے حد نیاز مندانہ بچے میں ڈرائیور کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی تھی۔

صبیحہ نے اُس کی گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ ڈرائیور ہاتھ نہیں آسکا۔ پھر صبیحہ کا مودہ لیکھتے بد گیا تھا اور وہ کھل کر باتیں کرنے لگی۔ پولیس اسکرٹ کو تفصیل سے بتا رہی کہ کس طرح اچانک اُس کی گاڑی برک گئی اور اُس نے نیچے اتر کر یونٹ اٹھایا تھا لیکن پرزوں کے متعلق معلومات نہ ہونے کی بنا پر گاڑی رک جانے کی وجہ نہ معلوم کر سکی تھی۔ پھر کسی طرف نے وہ آنکھا تھا اور تھوڑی دیر کی جدو جهد کے بعد ابھی پھر کام کرنے لگا تھا اس نے اُسے کچھ دینا چاہا تھا لیکن اس نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ملازمت کی تلاش میں ہے اگر کسی بھلے مانس کی گاڑی پر کام مل جائے تو وہ اپنے نوچین کا پیٹ پال سکے گا ورنہ اب فاقوں کی ہی نوبت آنے والی ہے۔

پھر جب وہ اپنی کہانی ختم کر چکی تھی تو سب اسکرٹ کی زبانی یہ سن کر اُسے اپنے چہرے پر گھرے صدے کے آثار پیدا کرنے پڑے تھے کہ وہ ایک بہت بڑی ڈیکٹنی کے کیس میں ماخوذ تھا۔ بیگم صاحبہ نے چھوٹے ہی پوچھا تھا کہ کیا وہ اُسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا لیکن جواب نہیں

”نہیں..... میں تھیک ہوں۔“
 ”کیا تم فائز کرنے والے کی شکل دیکھ سکتی تھیں۔“
 ”نہیں....!“
 ”پچ کر نہیں جاسکتا۔ جو کوئی بھی ہو۔“
 ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ....!“
 ”تمہیں یقین ہے کہ وہی مقام۔“
 ”کیا کہہ سکتی ہوں جب کہ صورت نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیں ایک ہاتھ جہاڑیوں سے لکھا تھا۔
 قبل اس کے کہ پچھے سوچ بھی سکتی فائز ہو گیا تھا۔“
 ”ہوں....!“

پھر کوئی پچھہ نہ یو لا۔ گاڑی تیزی سے راستے طے کرتی رہی۔ ساجدہ سوچ رہی تھی دیکھنے اب کیا ہوتا ہے؟ کہاں لے جائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب وہ اسے اس کے ہوٹل تک پہنچانے سے تو رہا۔ اجنبی کے کسی ٹھکانے پر لے جائے گا۔ جی تو چاہا کہ اس سلسلے میں استفسار کرے لیکن پھر خوش ہی رہی۔ اس وقت تو سب کچھ ہی غیر متوقع طور پر ظہور میں آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسے ان حالات سے گذرنا پڑے گا۔

وہ سوچتی رہی اور پھر ڈرائیور کی آواز سن کر چونک پڑی۔
 وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہیں ایک سنسان عمارت میں اُتار دوں گا۔“
 ”سنسان عمارت میں۔“ ساجدہ نے حیرت سے دھر لیا اور خود اسے اپنی آوازا جھنی سی گلی۔
 ”ہاں کوئی فکر کی بات نہیں۔“

”لیکن سنسان عمارت میں کیوں؟“
 ”وراصل میں خود فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ لہذا پورٹ دے کر تمہارے پتے سے آگاہ کروں گا۔“

ساجدہ نے بدقت خود کو روکا۔ ورنہ اس کے بعد تو وہ بھی پوچھتی کہ کس کو آگاہ کرے گا۔
 کے روپورٹ دے گا.... اس نے ایک طویل سانس لی اور نشست کی پشت سے نکل گئی۔
 تن پر تقدیر ہو جانے کے علاوہ اور کیا چارہ تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کپاڈنڈ میں داخل ہوتی۔ عمارت منقصہ ہی سی تھی لیکن اس کے گرد بہت بڑے رقبے میں لان اور باغ تھے۔

سنناہت کے ساتھ ہی آپ بھی محسوس کی تھی۔
 چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ کچھ بدحواسی میں جتنا ہو کر نہای کے زاستے کی طرف دوڑے.... کتنی ان جہاڑیوں میں جا گئے جہاں سے فائز ہوا تھا۔
 ساجدہ کے گرد بھیڑ لگ گئی اور شاید بھیڑ ہی اس کے ساتھ ہو جانے کی وجہ بھی تھی۔ اب وہ زمین پر بے سندھ پڑی اس طرح پلکیں جھپکا رہی تھی جیسے پھویش کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔
 پھر کسی نے اس سے پوچھا تھا۔ ”آپ تھیک تو ہیں....؟“ اور وہ کراہ کر اٹھ بیٹھی تھی۔
 ”کس نے فائز کیا تھا....؟“ مجھ میں ہی سے کسی نے پوچھا۔
 ”آپ کو میڈیکل ایڈی کی ضرورت ہے۔“ ان میں سے ایک نے جلدی جلدی کہا پھر دوسرے سے بولا۔ ”گاڑی فوراً آئیں الاؤ۔ اس وقت یہاں کا عملہ متعارض نہ ہو گا۔ جلدی کرو۔“
 ساجدہ نے دیکھا کہ وہ انگلیوں سے اجنبی کاشن و کڑی بھی بنائے ہوئے ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔
 جلد ہی اس نے کسی گاڑی کے اجنبی کی آواز سنی اور خلاف قاعدہ وہ گاڑی روشن سے لان پر اتر کر اس کے قریب آگئی۔

”چلے اٹھے....!“ اس آدمی نے ساجدہ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔
 وہ گاڑی میں بیٹھ تو گئی لیکن ذہن پچھے سوچنے سے قاصر تھا۔
 اتنے میں ایک آدمی جو شانکہ گارڈن کے ذمہ دار ان میں سے تھا الجھ پڑا۔ وہ اسٹرینگ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے کہہ رہا تھا کہ پولیس کے آئے بغیر وہ وہاں سے نہیں جا سکتے۔
 ”میں ڈاکٹر ہوں۔“ اسے جواب ملا۔ ”میں سمجھ سکتا ہوں کہ ان کے اعصاب اس حد میں سے کس درجہ متأثر ہوئے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ انہیں میڈیکل ایڈی نہ میں تاثر نہ ہونے دوں۔
 میرا ساتھی پولیس کے آنے تک نہیں نہ ہوئے گا۔ میں بیتال پیچ کر خود ہی پولیس کو مطلع کر دوں گا۔“

پھر قبل اس کے کہ وہ پچھہ اور کہتا اجنبی دوبارہ بیدار ہوا اور گاڑی تیزی سے روشن پر چڑھ گئی۔
 گارڈن کے گیٹ سے باہر نکل آئنے کے بعد ڈرائیور کرنے والے نے پوچھا۔ ”تم زخمی تو نہیں ہوئیں۔“

”نہیں....!“ ساجدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
 ”میڈیکل ایڈی کی ضرورت تو نہیں۔“

بھی کوئی موجود ہے.... اُس کرے میں کوئی بھی نہ ملا۔ پھر اُس نے دوسرے تین کرے بھی چھان بارے لیکن لا حاصل۔

پچھو دیر بعد وہ اُسے واہدہ سمجھ لیئے پر مجبور ہو گئی۔ پھر خیال آیا کہ پانی تو اعلیٰ لگا ہو گا اُس نے دوبارہ باورچی خانے کی طرف واپس آنا پڑا۔ اسلتھے ہوئے پانی میں چائے کی پتی ڈالی اور پھر کان کسی آہٹ کی طرف لگادیئے۔

جلد ہی وہ پھر کروں کی جانب واپس آئی۔ چائے کا کپ بھی ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ اُسے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔ باسیں جانب کتابوں کی الماری تھی جس میں خوش نماگست اُپ والی کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر ایک کتاب نکالی اور اسکی ورق گردانی کرتی ہوئی چائے کی چسکیاں لیتی رہی۔

دفعتا ایسا محسوس ہوا جیسے کتاب کے حروف کا پیٹنے لگے ہوں۔ رفتہ رفتہ سطہ میں آپس میں گلڈنہونے لگیں اور اس نے بوکھلا کر چائے کا کپ میز پر رکھ دی۔ اور اب اُسے محسوس ہوا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے۔ کتاب بھی ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور دوبارہ نیلیں اٹھائی جا سکی اس کا سر صوتے کی پشت سے جالا تھا۔ پلکیں جھکتی چلی گئیں.... وہ کوشش کر رہی تھی کہ آنکھیں کھولے رکھے گر ممکن نہ ہو۔

پھر وہ گرد و پیش سے بے خبر ہو گئی۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک اسی حال میں رہی تھی۔ بہر حال دوبارہ سر اٹھانے کے قابل ہوئی تو اندازہ کرنا دشوار تھا کہ کتنی دیر تک بے خبری کے عالم میں رہی ہے؟ لیکن یہ وہ کمرہ توہر گز نہیں تھا اگر ہوتا تو باسیں جانب والی کتابوں کی الماری ضرور دکھائی دیتی۔ وہ صوفہ سیٹ بھی نہیں تھا۔ وہ میز کہاں گئی جس پر اُس نے چائے کی پیالی رکھی تھی۔

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے گئی اور پھر یک یک اچل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کرے میں تو دروازہ بھی نہیں تھا۔ چاروں طرف سپٹ دیواریں کھڑی تھیں اور سر پر سادہ سی چھٹت تھی۔ کہیں کوئی روشنی دکھائی دیا۔

کمرہ کافی کشادہ تھا لیکن اس کی ساخت کی بناء پر دم گھلنے لگا تھا۔ اس نے دیوار کو چھوٹے ہوئے پورے کرے کا جکر لگای۔ دیواریں بھی سخت تھیں۔ انہیں ٹھوک بجا کر بھی دیکھا لیکن وہ کلڑی یا ہارڈ یورڈ کی نہ ثابت ہو سکیں۔

اوہ.... تو کیا یہ اس کا مقبرہ ہے؟ اس نے سوچا اور پھر قریب تھا کہ اس کے حلق سے ہسٹریائی انداز کی چھینی نکلنے لگیں تیز قسم کی سر راہت سنائی دی اور سامنے والی دیوار درمیان سے شق ہو کر ادھر اورہ سمنی چلی گئی۔ اب اُس کے سامنے ایک بہت بڑا بیان تھا۔

”یہ کنجی ہے۔“ ڈرائیور نے جیب سے ایک کنجی نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اندر ضروریات کی ساری چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔“

”تبت.... تو میں بیہاں بالکل تھا ہوں گی۔“ ساجدہ نے پوچھا۔

”شاکر زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ اچھا باب گاڑی سے اتر جاؤ۔“

وہ طوعاً و کہا گاڑی سے اتری۔ اندر ہمراض میں لگا تھا لیکن ابھی اتنا اجالا تو تھا ہی کہ وہ بیر و نی بر آمدے کا جائزہ لے سکتی۔

اُس کے اترتے ہی گاڑی ریورس گیئر میں چھانک کی طرف دوڑتی چلی گئی تھی۔ بس چھانک ہی چھانک تھا اس میں کوڑا نہیں تھے۔

ساجدہ نے مڑ کر دیکھا۔ گاڑی نے چھانک سے بھی گزر کر رخ بدلا تھا اور تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گئی تھی۔

”کیا مصیبت ہے؟“ وہ بڑی بڑی ہوئی برآمدے کی سیر ہیاں طے کرنے لگی۔ صدر دروازے پر قفل نظر آیا۔ آگے بڑھ کر اُس نے کنجی لگائی۔ قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ نیم تاریک سی راہداری نظر آئی۔.... اندر داخل ہوتے ہی باسیں جانب سونگ بورڈ نظر آیا۔ جس پر صرف ایک ہی سوچ تھا۔

سوچ آن کرنے پر راہداری روشن ہو گئی اور وہ دروازے کو بند کئے بغیر آگے بڑھتی رہی۔ عمارت صرف چار کروں پر مشتمل تھی۔ روزانہ زندگی کے سارے لوازم سے متعلق چیزیں وہاں موجود تھیں۔ کچیں میں پیچ کر ریفری میگزین کھولا تھا تو اُس میں دودھ کی بو تیلیں تک ملی تھیں۔

پوری عمارت کا جائزہ لینے کے بعد وہ سوچنے لگی کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وقت کا شے کے لئے کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔

وہ پھر باورچی خانے میں واپس آئی۔ اُس نے سوچا سب کچھ موجود ہے تو پھر چائے ہی کیوں نہ بنائی جائے۔ بچلی کا چولہا جلا کر پانی سے بھری ہوئی کیتیلی اُس پر رکھ دی۔

کچھ دیر بعد ایسا محسوس ہوا جیسے اُس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ وہ ہر تن گوش ہو گئی۔ دوسری بار لیکن ہو گیا کہ وہ قدموں کی چاپ ہی تھی اور زیادہ دور نہیں معلوم ہوتی تھی۔ غالباً

قریب ہی کے کمرے میں کوئی چل رہا تھا۔ وہ تیزی سے باورچی خانے سے نکلی اور اُسی کمرے کی طرف چل پڑی۔

اب آواز تو نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن چھٹی جس کہہ رہی تھی کہ بیہاں اُس کے علاوہ

اس نے بڑے اطمینان سے رہاں نکال کر چہرہ صاف کیا اور بے حد سبجدگی سے بولا۔ ”میں اس کا مستحق تو نہیں تھا لیکن بڑی قدر اخراجی ہوئی۔ علیا حضرت۔“

”ہمارے سینڈل بھی بہت مضبوط ہیں۔“

”جو مزان حسن میں آئے۔“ اُس نے سر جھکا کر کہا۔

”بکواس بند کرو۔“ ساجدہ شیر ہوتی جا رہی تھی۔

”پھر علیا حضرت کیا ساماعت فرمانا پسند فرمائیں گی۔“

”میں نہیں کچھ سکتی کہ ایسے بہوودہ لوگ کیسے انجمن میں بارپاتے ہیں۔“

”میں خود ہی ایک علیحدہ انجمن ہوں علیا حضرت۔ آپکے انجمن سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

”لیکن میں یہاں انجمن ہی کے ایک فرد کے ہمراہ آتی تھی۔“

”کہیں اور گئی ہوں گی.... یہاں تو آپ نے محض اس خادم کی کوششوں کی بنا پر قدم رنجہ فریبا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”حضور جس کی آہست پر باور پچھی خانے سے نکل آئی تھیں وہ بھی خادم تھا۔“

”اوہ سمجھی۔“ وہ دانت ٹھیں کر بولی۔ ”پھر جب میں کمرے میں گھپلی تو تم دوسرا طرف سے باور پچھی خانے میں جا پہنچئے تھے اور چائے کے پانی میں کوئی خواب آور چیز ڈال دی تھی۔“

”چائے کے پانی میں نہیں بلکہ دودھ کی بو تکوں میں ڈالی تھی۔“

”کیوں...؟“

”اس لئے کہ علیا حضرت کو یہاں لانا پڑتا تھا۔“

”تو پھر روپ اور سے فائز بھی تھیں نہ کیا ہو گا۔“

”اُس کہانی کے سننے کا اشتیاق ضرور ہے کیا آپ اسے دہراتا پسند فرمائیں گی۔“

”مٹ بکواس کرو۔ تم نے ہی فائز کیا ہو گا ورنہ عمران کیا جانے کے میں اسے دھوکا دے رہی ہوں۔“

”ایک بات ہے علیا حضرت! عمران کی عورت پر فائز نہیں کر سکتا۔“

”ہمیں مطلب۔“

”وہ کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔“

”پھر وہ کون تھا...؟“

”ہو سکتا ہے عمران ہی رہا ہو۔“

ہال کے اختتام پر اسی سانچے سانظر آیا جس پر صرف ایک آدمی کھڑا کھائی دے رہا تھا۔ دیلا پتلا لمبا سا آدمی.... فاصلہ زیادہ ہونے کی بنا پر اُس کے خدو خال نظر میں واضح نہیں تھے۔

وہ ساکت و سامت کھڑی رہی۔ دفتاری بے آدمی نے ہاتھ پلا کر اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور غیر ارادی طور پر اُس کے قدم اسی جانب اٹھتے رہے۔

کچھ آگے بڑھنے پر لمبے آدمی کا چہرہ جانا پچھانا سامنے ہونے لگا۔ اور پھر جہاں سے اُس نے اُسے پوری طرح پچھا بنا بس دیں کی ہو کر رہ گئی۔

کوشاش کے باوجود بھی قدم آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔

یہ تو.... یہ تو وہی ہے جس نے پروفیسر راشد کے کافیات نکال لے جانے کی کوشش کی تھی؟ وہی جو خود اُسے اٹھا لے گیا تھا اور اسی بیہودہ حرکتیں کی تھیں کہ وہ اُس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔

پہلے عمران نے اُسے اس کا نام داور بتایا تھا لیکن پھر بھی داور پروفیسر راشد کے تہہ خانوں میں کسی دوسرے روپ میں نظر آیا تھا۔ لیکن صورت سے توہر حال میں حرام زدگی ہی ظاہر ہوتی تھی۔

”آؤ.... آؤ....!“ دفتاری اُس نے پیار بھرے لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ ”ڈرو نہیں۔ میں ایسا مرد نہیں ہوں جس سے عورتیں خوف کھائیں۔ بعض اوقات مجھ سے شام تک عورتوں کی جو یتیاں کھاتا رہتا ہوں۔“

وہ پھر بھی اپنی جگہ سے نہ بٹا اور خود اُسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

قریب پیچے کرو اسی طرح خادمانہ انداز میں جھکا تھا۔ جیسے ساجدہ کا زر خرید غلام ہو۔

”آخر ملکہ عالیہ اس خادم سے خفا کیوں ہیں۔“ اُس نے گڑگڑا کر کہا۔

ساجدہ سوچ رہی تھی کیوں کام نہ بنے گا۔ اگر تم پچھا لیتی رہیں تو اپنا سب کچھ کھو بیٹھو گی؟

وہ بڑے دلاؤز انداز میں مسکرائی اور خالص شہانہ لہجے میں بولی۔ ”ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے تجھے کہاں دیکھا تھا۔“

”تکوئے کی خاک پر کس کی نظر ہتی ہے علیا حضرت۔“ وہ کم جنت بھی ڈائیلاگ ہی بولنے پر مل گیا تھا۔

”حاضر جوابی پر ہم خوش ہوئے۔ لیکن فی الحال کنگال ہیں ورنہ انعام ضرور دیتے ہیں۔“

”خزانہ حسن سے کچھ عطا ہو جائے۔“

”یہ لو.... تھوڑے...!“ ساجدہ نے اُس کے منہ پر تھوک دیا۔

پیچھے ہٹ گئی۔

اب دونوں ہی خاموش تھے۔ سگ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرتا اور وہ نظریں چراتی۔ آخر وہ کچھ کہے بغیر اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھر اسٹچ کی طرف چلا گیا۔ ساجدہ وہیں کھڑی رہی۔ عجیب پوزیشن میں تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعٹا ہلکی سی آواز میں ساز بجھن لگا اور یہ آوازیں چاروں طرف سے آتی محسوس ہوتی تھیں۔ ہو سکتا تھا دیواروں کے اندر مایک فر رہے ہوں۔

سگ اسٹچ پر کھڑا سازوں کی آواز پر تھرک رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بوتل اور گلاس تھے۔ وہ اسی طرح تھرک تا اور ناچتا ہوا اسٹچ سے اتر کر اس کی طرف بڑھتا تھا۔

قریب آکر بولا۔ ”بہترین... کئی رسول کی پرانی پر ٹھکانی شراب ہے۔ تم بھی پیو اور مجھے بھی پلاو۔ اسی کا نام زندگی ہے۔۔۔ لواثلیو۔۔۔ چیئر۔۔۔ پلاو۔۔۔“
”پیچھے ہو۔۔۔“ ساجدہ قریب پڑی ہوئی ایک کرسی اٹھاتی ہوئی بولی ”ہو۔۔۔ ورنہ سر پھوڑ دوں گی۔“

”چلو یہ بھی برداشت کرلوں گا اگر مجھ سے محبت کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔“

”بہن نہیں ہے تمہاری کوئی۔۔۔!“ ساجدہ نے جل کر پوچھا۔

”صرف مال تھی۔“ سگ نے مغموم لمحے میں کہا۔ وہ بھی عمر صہ ہو امر پچکی ہے۔

”پیچھے ہو سور۔۔۔!“ ساجدہ نے کرسی گھٹائی کیونکہ وہ آہستہ آہستہ اس سے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سگ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور پھر آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ”تم عمران کو چاہتی ہو۔“

”ہاں تو پھر۔۔۔ تھجھ سے کیا۔“

”میں بہت جلد اسے مار دلوں گا۔“

”تو میرا کیا بگرے گا۔“ ساجدہ نے سنبھل کر کہا۔ بے اختیاری میں وہ عمران سے اپنی محبت کا اعتراض کر بیٹھی تھی۔ حالانکہ ان لوگوں کے سامنے تو اسے اس کی مخالفت ہی کا بہروپ بھرنا تھا۔ ”تم اس کے لئے روؤگی۔۔۔ تو پوچھو۔“

”میں تو اس کی بیانیں اپنے دانتوں سے چبنا چاہتی ہوں کیونکہ اُسی کی بدولت اس حال کو پہنچی ہوں۔“

”تو پھر آؤ۔۔۔ میرا کچھ بھٹکتا کرو۔“ سگ ہی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

”کیسی بے تکمیلی باقیں کر رہے ہو۔ کر بھی سکتا ہے۔۔۔ نہیں بھی کر سکتا؟“

”حضور کو مارڈالنے کی نیت سے اس نے فائزہ کیا ہوگا۔“

”پھر وہی بکواس۔ اس نے مجھے وہاں ملنے کے لئے بلا یا تھا۔“

”ہو سکتا ہے؟“ اس نے لاپرواٹی سے شانوں کو جینش دی۔

”تو پھر۔۔۔؟“

”بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ حضور عمران کی وفادار ہیں یا اپنی انجمن کی۔“

”اچھا تو پھر۔۔۔!“

”میں تو حضور کو اس انجمن کی انڈر سیکریٹری بنانا چاہتا ہوں۔“ اس نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”مشت اپ۔۔۔!“

”خوبصورت عورتوں کی ڈائٹ پھنکار بھی میرے لئے لذت آگیں ہوتی ہے۔“

”حد سے زیادہ سہ بڑھو داور۔۔۔!“

”اوہر نہیں سگ ہی۔ میرا تم سگ ہی ہے۔۔۔ میں چنی ہوں۔“

”تم کوئی بھی ہو بکواس بند کرو اور مجھے وہیں پہنچاو جہاں مجھے ہونا چاہئے تھا۔“

”تمہیں تو سینیں ہونا چاہئے تھا۔“ سگ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اور تم سینیں ہو۔ بہیشہ میں رہو گی۔“

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اسے تھر آسود نظریوں سے گھورے جا رہی تھی اور سگ کے ہونٹوں پر بیان جملانے والی سکراہٹ تھی۔

”میں اپنی محبوباوں کی بے حد عزت کرتا ہوں۔“

ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کس طرح پیش آئے۔ اس سے زیادہ ڈھیٹ آدمی آج تک اس کی نظر سے نہیں گزر اتھا۔ وہ خود بہت زیادہ اسٹریٹ فارورڈ تھی لیکن اس وقت کی جا رہی تھی۔

”تو پھر کیا فیصلہ کیا علیا حضرت نے۔۔۔؟“

”خاموش رہو۔“

”چلے یہ بھی سہی۔۔۔!“ وہ اس کے پیروں کے قریب فرش پر بیٹھتا ہوا بولا اور وہ بوکھلا کر

”میں تمہیں ساری دنیا کی ملکہ بنادوں گا۔“

”میں تمہارا بھی منہ پکل دوں گی سمجھے۔“

”دنیا میں کسی مرد کی ہو بھی سکوگی یا نہیں۔“

”نہیں.... کیونکہ میں بھی مرد ہی ہوں۔“

”نہیں چلے گی۔ وہ انگلی اٹھا کر بولا۔“ تمہاری پوری ہسترنی سے واقف ہوں۔“

”ہوا کرو... لیکن تم جیسے چنگاڑہ شکل کے مردوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”اوہ دیکھو....!“ سنگ نے آہتہ سے کہا۔

اس نے اسکی طرف دیکھا اور کسی پھیک ماری۔ اور اب تو اس کے منہ سے بے شکل گالیوں کا طوفان منڈرا تھا۔ سنگ ہی دور کھڑا ہستارا۔ لیکن ساجدہ اُس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔



پولیس کی پوچھ چکے بعد بھی صبیحہ کو کافی دیر تک بور ہونا پڑا تھا میں اور نالی کی ڈانٹ پھٹکار قریب تریب دو گھنٹے تک جاری رہی۔ رات کا کھانا بھی نہ کھایا اور پھر کسی نے پرواہ کب کی تھی۔ پھولئے منہ پوچھا بھی نہیں تھا۔

وہ بیت پر پڑی اُس پر اسرار آدمی کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اُس کے اس طرح جانے سے اُسے گمراہ مدد پہنچا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اب کیا ملاقات ہو سکے گی کبھی... اب اس الزام کی بنا پر وہ خود ہی اوہ رکارخ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ نہیں کیوں رہ پڑا تھا۔ آخر اسی بیٹھکے کے سامنے کیوں کھڑا لیا گیا تھا اور پھر کار کی ذکر کے میں چھپ کر اُس کے ساتھ اُس مقام تک کیوں گیا تھا جہاں سہیل کی پڑائی ہوئی تھی۔

پھر اس بیلک میں اسکے کھانے کا خیال آیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بوریت محسوس کرنے لگی۔ اختر نے تو پہلے لگایا تھا کہ وہ خط اس کے قائل میں کس نے رکھا تھا لیکن اگر اب کچھ ہوا تو کیا ہو گا۔

آخروہ بیلک میں اس سے کیا چاہتا ہے؟ پچھے دیر تک وہ بیلک میں رہی اور پھر خیالات کی رو دوبارہ ڈرائیور کی طرف مڑ گئی۔ اُس کا سامان کو ٹھہری ہی شش پڑارہ گیا تھا۔ کیا اُس کے سامان میں کوئی ایسی چیز مل جائے گی جو اُس کی اصلاحیت پر روشنی ڈال سکے؟ اوہ کیوں نہ اُس کا سامان دیکھا جائے۔ پتہ نہیں

کیوں پولیس والوں نے اُس کا سامان دیکھنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ صرف پوچھ چکے کر کے چلے گئے تھے۔ مکن ہے وہ پھر آئیں.... اور سامان کا بھی مطالہ کریں۔

سامان ہی کیا تھا ایک پرانا سوت کس اور ایک میلا سا بستر۔ پچھلی رات اُن نقاب پوشوں نے بھی اُس کے سامان کی ٹلاٹی لی تھی۔

اوه.... اختر.... اختر.... اختر.... اگر واقعی اُس کا نام اختر ہی تھا تو اس اتفاق کو کیا کہا جائے۔ میرے خدا کیا ہوئے والا ہے۔

ٹھہری نے گیارہ مچائے اور وہ بستر سے اٹھ گئی۔ آج تو نہ بھوک یاد رہی تھی اور نہ پیاس۔ اُس کا خیال تھا کہ ٹھہر کے سب لوگ سو گئے ہوں گے۔

خیال غلط بھی نہیں تھا۔ وہ بے پاؤں اپنے کرے سے نکلی اور احتیاط سے چلتی ہوئی صدر دروازے تک آئی۔ پہ آہنگی دروازہ کھولا اور برآمدے سے روشنی میں اتر آئی۔

پچھے دریں بعد میں کی کو ٹھہری کا دروازہ کھولا۔ اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرنے کے بعد نارچ روشن کی۔

پھر بدقت تمام اپنے حلق سے نکلنے والی آواز کو روک لگی تھی کیونکہ وہ تو چار پائی پر پڑا بے خبر سورہ تھا۔

لیکن اس وقت اپنی اصلی صورت میں تھا۔ تغیر پیدا کرنے والی موچھیں چہرے پر نہیں تھیں.... وہ دم بخود کھڑی اسی کو دیکھتی رہی۔ اُس کا خیال رکھا تھا کہ نارچ کی روشنی برآوراست آنکھوں پر نہ پڑنے پائے۔

لکھتی مخصوصیت تھی چہرے پر جیسے کوئی شری چچے تھک کر سو گیا ہو۔ اب اگر ایسے میں کوئی آکر گردن ناپ جائے تو.... گمراہ اور دلیری.... کتنے مرے میں آکر سوئے ہیں حضرت۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ ان کے باپ کی جاگیر ہو۔ اُس کا بھی دھیان نہ آیا کہ کس حال میں فرار ہوئے تھے۔

اچھا ہی.... ابھی قدر دعا فیت معلوم ہو جائے گی۔

رگ شرات پڑک اٹھی تھی۔ نارچ بچا کر بغل میں دبائی اور گھٹنوں کے بل چار پائی کے نیچے گھس گئی۔ پھر اچھل کر نیچے سے ٹکر مارنے ہی والی تھی کہ اوپر سے آواز آئی۔ ”میں مر چکا ہوں۔ اس لئے کیا فائدہ۔“

”مر بھی چکو کسی صورت سے...!“ وہ جلا کر بولی اور چار پائی کے نیچے سے نکل آئی۔

ثرارت سے قبل والے لذت انگیز ہیجان پر اوس پر چکی تھی۔

”میں کیا مدد کر سکوں گی۔“

”چونکہ اس عمارت کا ایک فرد تمہارا تعاقب کرتا رہتا تھا۔ اس نے تم نے اس عمارت میں خاص طور پر دلچسپی لی ہو گی۔“
”میں نہیں سمجھتی۔“
”میا سکھیں وہاں تمہارا رہتا تھا۔“
”نہیں.... اکثر میں نے دوسروں کو بھی دیکھا ہے لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ دہان مستقل طور پر رہتے تھے یا شخص ان کی آمد و رفت تھی۔“
”بھی کوئی دل پلا پڑا اور لمبا سا آدمی بھی دکھائی دیا تھا جسکے پرے کی بنا پر تمہیں عجیب لگی ہو۔“
”میں نے قریب سے تو کسی کو بھی نہیں دیکھا۔“

” غالباً یقین کے ساتھ یہ بھی نہ بتا سکو گی کہ سہیں یہاں تمہاری رہتا تھا۔“
”بھی بات ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔“
”یہ کس نے بتایا تھا کہ وہ دو دشمن کو شتر کا سالا ہے۔“

”بیانے بتایا تھا.... وہ خود ہی ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا کرتے تھے۔“
”تم نے اپنے بیان کو بھی بتایا ہوا گا کہ وہ تمہارا تعاقب کیا کرتا ہے۔“
”بنا دیتی تو پھر بھی گاڑی نہ لے جانے پاتی۔ اسلئے کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔“
”اچھی بات ہے۔ میری سب سے بڑی مدد بھی ہو گی کہ مجھے اسی کو کھڑی میں راتیں بسر نے دو۔“

”میرا کیا جاتا ہے.... رہو لیکن اگر پکڑے گئے تو میں اس سے اپنی لا علمی ہی ظاہر کروں گی۔“
”بالکل.... بالکل۔“

”لیکن پولیس نے تمہیں کیوں گھیرنے کی کوشش کی تھی۔“

”وہ بیک میل جانتا ہے کہ میں اس کی تاک میں ہوں۔ پہلی رات اُسی کے آدمیوں نے مجھے ستر نے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نہیں چلا تھا۔ لہذا آج انہوں نے پولیس کی آڑلی۔“

”وہ خود ہی مجرم ہوتے ہوئے بھی پولیس کے پاس گئے تھے؟“
”جب تک کسی کے جرائم مظراع ام پر نہ آجائیں قانون کی نظر میں وہ محترم ہی رہتا ہے۔“
”اول نے مجھ پر کوئی الزام رکھ کر...!“

”آہا....!“ وہ بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ ”پولیس نے تم پر کسی ذکیتی میں حصہ لئے کا

وہ دیے ہی چلتی لیٹا رہا۔ صیحہ نے پھر تاریخ روشن کر لی۔
”نہیں اسے بجا دو۔“ اُس نے کہا۔ ”ورنہ اگر کوئی روشنی دیکھ کر ادھر آگیا تو؟“

”تم نے دوبارہ یہاں آنے کی جو رات کیسے کی؟“
”پھر کہاں جاتا... رات بس کرنے کے لئے چھت ضروری ہوتی ہے۔“

”اگر میں پولیس کو اطلاع دے دوں تو۔“
”جتنی دیر اطلاع دینے میں لگے گی میں سان فرانسکو جا پہنچوں گا۔“

”میں پوچھتی ہوں تم آئے کیوں....؟“
”دن کے اجائے میں تم مجھے یہاں نہ پاؤ گی۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کہا۔ ”آخر تم نے کون سا جرم کیا ہے جس کی اہر پر پولیس تمہیں لے گئی تھی پھر رہی ہے۔“

”اس کا خیال ہے کہ میری شادی میں القوای تعلقات پر اڑا انداز ہو گی لیکن میں فی الحال اُوی نہیں کرتا چاہتا۔ کیونکہ خود میں ابھی تک ایک یوز لس نان سنن آر گناہ زیشن یعنی.... ایک اُو ہوں۔“

”بیکار باشیں نہ کرو ٹھیک سے بتاؤ۔“
”اچھا تو پھر سنجیدگی سے ستو۔“ وہ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میں عمر صہے سے اُس بیک میل کو ملاش کے قتل کر دینے کی فکر میں ہوں۔ اس نے بہتری زندگیوں کو جنم بیار کھا ہے۔“
”وہ.... وہ.... یعنی کہ وہ....؟“

”ہاں.... اوہی جس نے تمہیں لکھا تھا....؟“
”لیکن.... لیکن.... تم سیدھے بیکیں کیوں چلے آئے۔ کیا تمہیں معلوم تھا کہ مستقبل یہ میل کی جانے والی ہوں۔“

”یہ محض اتفاق تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ سامنے والی عمارت کا اُس بیک میل سے تعلق ہے اُس ت بھی اُس کی تاک میں تھا کہ تمہارے ملازوں نے بے خبری میں چادر ڈال کر اٹھا لیا۔“
”اوہ.... تو تم اُسی عمارت کی بات کر رہے ہو جس میں سہیل رہتا تھا۔“

”ہاں اُسی عمارت کی۔“

”عجیب اتفاق ہے۔ عجیب اتفاق ہے۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بڑا بڑا۔
”اور اب میں حسوس کر رہا ہوں کہ تم اس سلسلے میں میری کافی مدد کر سکتی ہو۔“

الزام عائد کیا ہے۔

”پچھے بھی کہہ سکتے ہیں.... میں صفائی پیش کرنے سے تو رہا۔“

وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ”تمہیں بھوک تو نہیں لگی۔“

”نہیں آج بالکل ٹھیک ہوں۔“

”ایک بات بتاؤ.... بتاؤ گے؟“

”بچھو....!“

”صورت سے تو بالکل حق معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ اتنے سارے داکوں تیک کہاں سے آگئے تھیں۔“

”ویسے بھی حق ہی ہوں۔ اب یہ حمافت نہیں تو اور کیا ہے کہ خواہ خواہ اتنا برا خطرہ مول لے بیٹھا ہوں۔“

”تم حقیقاً کون ہو اور کیا کرتے ہو؟“

”دوسروں کے پھٹے میں ناگف اڑانا میری ہالی ہے محض دیپیکی کی خاطر کنوں میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں۔“

”تم بتانا نہیں چاہتے اپنے متعلق۔ کیا میں کسی سے کہتی پھر دوں گی۔“

”میں کیا بتاؤں اپنے بارے میں۔ میں صرف میں ہوں۔ اپنے علاوہ دنیا میں کوئی میرا نہیں ہے۔“

”ماں بابا...!“

”ضرور ہوں گے ورنہ میں پھر کہاں ہوتا؟“

”میں پوچھ رہی ہوں زندہ ہیں یا مر گئے...!“ وہ جھچھلا کر بولی۔

”زندہ ہیں۔“

”کیا انہیں تمہاری پرواد نہیں ہے۔“

”پرواد تو ہے۔ لیکن وہ بہت زیادہ شریف لوگ ہیں۔ میری طرح کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔“

”تم قاتل بھی ہو۔“

”ضرور خاتم بھی کر دیتا ہوں۔ لیکن ابھی تک میرے ہاتھوں کوئی بے گناہ نہیں مرا۔“

”تمہاری صورت دیکھ کر کوئی تمہیں قاتل نہیں کہہ سکتا۔“

”اور یہی چیز میرے لئے آسانیاں پیدا کرتی ہے۔“

”تم پڑھے لکھے بھی ہو۔“

”کہہ تو دیا کہ آسکھورڈ سے سائنس میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ ویسے فلفہ بھی بہت پڑھا ہے۔“

آج کل تم کے پڑھ رہی ہو۔“

”ہیگل کو...!“

”مجھے شش پسند ہے۔“

”کیوں نہ پسند ہو۔“ صبیح نے کہا اور سوچنے لگی کہ اب اُسے کیا پوچھنا چاہئے۔ آخر اس نے کہا۔ ”اگر پولیس نے تمہارے سامان کا مطالبہ کیا تو...!“

”شوق سے حوالے کر دینا۔“

”کوئی چیز ہیز ہو تو نکال لے جاؤ۔“

”زندگی سے زیادہ چیز اور کیا ہو گی۔“

”کیا میں ثارن رج روشن کرلوں۔“

”کیوں...?“

”تت... تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔“ اُس نے کہا اور پھر جھینپھے ہوئے انداز میں ہس پڑی۔ وہ پکھہ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد صبیح نے پوچھا۔ ”تو تم جاگ رہے تھے۔“

”ہرگز نہیں... بے خبر سورا تھا۔“

”میں نہیں مان سکتی۔ کیونکہ میری دانست میں... چارپائی میں بلکہ سبھی دھکا نہیں لگا تھا۔“

”لیکن میری آنکھ کھل گئی تھی اور فوری طور پر خیال آیا تھا کہ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں کیا ان لوگوں میں سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا جو پچھلی رات آئے تھے۔“

”ہرگز نہیں... وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ میں پھر ادھر کارخ کروں گا۔“

”سامان لینے آئتے ہیں۔“

”لے جانا ہوتا تو کل ہی لے جاتے۔“

”تو تمہاری اس منطق نے تمہیں مطمئن کر دیا تھا اور تم سیدھے ہیں پڑے آئے۔“

”میرے اندازے عموماً غلط نہیں ہوا کرتے۔“

”اب کیا کرو گے۔“

”پھر سو جاؤں گا.... لہذا اب سوہنی جانے دو۔“

”بچھا رہے ہو...!“

”اُبھی شرافت سے کہہ رہا ہوں پھر کاشٹے دوڑوں گا۔“

"اچھی بات ہے میں جا رہی ہوں۔" وہ مراسامنہ بنانکر بولی۔
"شکریہ۔"

صفدر زیر و نائین کے ٹرانسیٹ پر کوڈور ڈریٹ میں کہہ رہا تھا۔ "پیک گارڈن سے ایک آدمی اُسے لے گیا تھا اور وہ اسی عمارت میں پہنچا دی گئی جہاں سکیل رہتا تھا۔ مکان مقفل تھا۔ پہنچانے والا بھی کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔ اب وہاں تھا ہے۔ مگر انہی ہو رہی ہے.... اور ایڈنڈ آل۔" سونچ آف کر کے وہ جوزف کی طرف مڑا، جو قریب ہی دانت نکلنے کھڑا تھا۔
"کیا بات ہے؟"

"وہ کیتا کی بھی مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتی ہے۔" جوزف نے خشک لبجے میں کہا۔
صفدر نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "سائز ہے بارہ بجے رات کو۔"
"ہاں....!"
"کہاں لے جائے گی۔"

"خدا جانے کہتی ہے سفید سوت پہن کر چلنا۔ مجھے تماشا بہانا چاہتی ہے۔"
"اندھیرے میں بھی چکو گئے سفید سوت میں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔"
"تمہارے باس کا حکم ہے۔"
"میں کیسے یقین کرلوں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"
"دیکھو مسر میں ابھی تک محض تمہارے کہنے سے اُسے منہ لگاتا رہا ہوں۔ اب وہ اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے.... کیا یہ اچھی بات ہے۔"

"میں نے اپنی مرضی سے تمہیں اس پر آنادہ نہیں کیا تھا۔ تمہارے باس کا حکم تھا۔"

"اویسیرے باپ....!" جوزف نے دانت پیس کر انہی پیشانی پر مکارا۔
"تم ڈرتے ہو کیا اس سے۔" صدر نے جھیڑنے کے سے انداز میں پوچھا۔

"میں ڈرتا ہوں.... جوزف....!" وہ چھاتی شوک کر دیا۔

"یقیناً بھی بات ہے۔"

"ہاں میں ڈرتا ہوں۔" جوزف نہ جانے کیوں مضمحل ہو گیا۔
"ڈرتے ہوٹا....!"
"یہ بات نہیں ہے۔" وہ پیختہ لگا۔ مجھے عورتوں کی مسکراہٹ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔
جب وہ خاص انداز میں مسکراتی ہیں اور آنکھیں اس بلی کی آنکھوں سے مشابہ ہوتی ہیں ہے
بیداری میں چیچھروں کے خواب آرہے ہوں۔"
"تمہیں جانا پڑے گا.... تم جاؤ گے۔ سفید سوت میں... تمہارے باس کا حکم ہے۔ نک
حرابی نہ کرو۔"
یک بیک جوزف کے چہرے پر گھری سبجدگی نظر آنے لگی بھر ہونٹ کا پنپے اور صرف اتنا
ٹکلا...."نک حرابی....!"

اور وہ اپنا سر پیٹ پیٹ کر کہنے لگا۔ "جاوں گا.... جاوں گا.... جاوں گا۔"
اور بھی رشتا ہوا کرے سے نکل بھی گیا۔ آواز بے بی اور جھلاہٹ میں ڈوبی ہوئی تھی۔
صفدر نے ٹرانسیٹ کا سونچ آن کر کے فریکو ٹھیک تبدیل کی اور کوڈور ڈریٹ میں بولا۔ "ہیلو ہیلو
..... ہیلو ہیلو.... مگر انی کرنے والوں کو ہدایت دیکا جائے کہ جوزف کا تعاقب ہرگز نہ کیا
جائے.... اور ایڈنڈ آل....!"

سفید سوت میں وہ اتنا غمیباں ہوا کہ تماشہ بن کر رہ گیا۔... ریٹا اس کے ساتھ تھی اور وہ
ہوش سے نکل کر فٹ پا تھر پر رک گئے تھے۔
"میں نہیں بھج سکتا کہ اس وقت مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو۔" جوزف نے ٹکھیوں سے
ادھر اور ڈریکھتے ہوئے پوچھا۔
"بہت لمبا بڑا ہے.... تم فائدے ہی میں رہو گے۔"
"کیسا بڑا نس...?"
"اُبھی معلوم ہو جائے گا۔ تم مرے کیوں جا رہے ہو میں تمہیں انداز پوک نہیں سمجھتی تھی۔"
"مجھے غصہ نہ دلو۔" جوزف غریباً۔ "اب پچھہ نہ پوچھوں گا۔"
"شہابش.... میں تمہیں سکھاؤں گی کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہا جاتا ہے۔"
"وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

”میں اُس کی احسان مند بھی ہوں۔ اس لئے اپنی بات پر اڑی نہ رہ سکوں گی۔“

”اچھا تو پھر....؟“

”تمہاری کھوپڑی میں عقل بھی ہے یا نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں۔ لیکن اُس ساخت کی نہیں جس میں کوئی عورت فتو کا حق ہو سکے۔“

”تو اس میں صیبیت کیا ہے کہ میں تمہیں جواہرات کا مالک ظاہر کروں تم اپنا کیشن لے لیتا۔“

”اُس کی شرح کیا ہو گی۔“

”چلو اچھا ہے تم نے پوچھ لیا۔ ورنہ بعد میں بھگڑا کرتے۔ میں تین فیصد سے زیادہ نہ دے سکوں گی۔“

”لیا ہزاروں میں سودا ہونے کے امکانات ہیں۔“

”تقریباً ڈھنڈ لا کھ کا پچکر ہے۔“

”اس کا مطلب ہوا سائز ہے چار ہزار روپے۔“

”بالکل....!“

”مجھے منظور ہے لاو....!“

اُس نے پرس ریٹا سے لے کر اپنے ہاتھ پر تولا اور لاپرواٹی سے جیب میں ڈال لیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریٹا نے کہا۔ ”کچھ بولتے بھی رہو۔ سانپ کیوں سو گنج گیا۔“

”مجھے سوچنے دو۔ سائز ہے چار ہزار کا مصرف!“

”اوہ.... لس اتنے ہی میں مگن ہو گئے۔“

”ایک بات ہے مسی کیا بتاؤ گی مجھے۔“

”پوچھو....؟“

”جب تم لاکھوں کا بڑنس کر سکتی ہو تو نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”محض اس لئے کہ انکم نہیں ادا کرنا چاہتی۔“

”تم تھا ہواں بڑنس میں یا اور کوئی بھی ہے۔“

”صرف میری بہن.... جو کو لمبو میں رہتی ہے۔“

”تو وہی تمہیں جواہرات بھیجتی ہے۔“

”ہاں....!“

”اسٹکنگ....؟“

”کیا جانتے ہو....!“

”چجزے کا چاک بھی ساتھ ہوتا ہے۔“

”جنگل....!“

”جنگل ہونا ہمارا طرہ انتیاز ہے!“ جوزف غربیا۔

”اب آؤ....!“ ریٹا ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

”میں سمجھا تھا تم شاہزادیکی کا انتظار کر رہی ہو۔“

ریٹا کچھ نہ بولی۔ جوزف اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

ایک موڑ پر وہ پھر رک گئی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک بھی سی کار سامنے آکر فٹ پاٹھ سے آگئی۔

”چلو بیٹھو....!“ ریٹا نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

جوزف نے چپ چاپ تعیل کی ... ریٹا نے اُس کے برابر بیٹھنے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور کار چل پڑی۔

”یہ لو....!“ ریٹا نے چجزے کا ایک پرس جوزف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اے اپنے پاس رکھلو۔“

”اس میں کیا ہے۔“ جوزف نے پوچھا۔

”جوہرات....!“ ریٹا آہستہ سے بولی۔

”تو پھر میں کیوں رکھلوں؟“

”میں دراصل جواہرات کی دلائی کرتی ہوں۔“

”ضرور کرو.... لیکن میں!“

”تم سمجھے نہیں ... میں تمہیں ان جواہرات کا مالک ظاہر کروں گی تم ناہجیریا کے ایک تاجر کاروں ادا کرو گے۔“

”لیکن میں ایسا کیوں کروں گا....؟“

”یہ جواہرات میری ملکیت ہیں۔ جس آدمی کے پاس تمہیں لے چل رہی ہوں میرا پرانا گاہک ہے۔ لیکن اگر اسے شبہ بھی ہو گیا کہ میں ان جواہرات کی مالک ہوں تو وہ انہیں کم سے کم قیمت پر خریدنے کی کوشش کرے گا۔“

”اچھا تو پھر....?“

اپنا کارڈ دیا۔۔۔ کچھ دیر بعد اندر طلبی ہوئی۔ ڈرائیکٹ روم شاندار تھا۔ فرش پر قیمتی ایرانی قالین میں جوزف کے پیردھن رہے تھے۔

انہیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا لیکن ڈرائیکٹ روم میں داخل ہونے والے پر نظر پڑتے ہیں جوزف کا دل ہمدردی کے جذبہ سے لبریز ہو گیا۔ کیا حسین اور مند نوجوان تھا۔ لیکن پیروں سے مخذول۔ بیساکھیوں کی کھٹکھٹ اس کی زندگی پر نوحہ کرتی معلوم ہوتی تھی۔

”شخ حمزہ کو وٹا۔۔۔!“ ریٹا نے جوزف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اور آپ عادل آباد کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی کریم حیدر صدیقی۔“

جوزف نے ہونٹ پھینک کر مصافی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ آدمی جاندار ہے۔

”بُوی خوشی ہوئی شخ صاحب۔“ کریم حیدر نے کہا۔ ”تشریف رکھئے۔“

”میرا خیال ہے کہ تکلفات میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔“ ریٹا بولی۔ ”مسٹر کو وٹا۔۔۔ اپنی چیزیں نکالنے۔“

جوزف نے جیب سے پرس نکال کر ریٹا کی طرف بڑھا دیا۔۔۔ ریٹا نے چھوٹی میز کریم کے صوفے کی طرف کھسکا کر پرس اس پر خالی کر دیا۔

جو اہرات میز کی سطح پر بکھر گئے۔ کریم حیدر انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ پھر بیساکھیاں سیدھی کرتا ہوا بولا۔ ”ٹھہرے میں ذرا میکدیفائنگ گلاس لے آؤ۔“

”میں ملازم کو بلاوں۔“ ریٹا جلدی سے بولی۔

”نہیں میرا کھا ہوا ہے۔ کسی ملازم کو نہیں ملے گا۔“

جوزف نے محسوس کیا کہ ریٹا اس کے اس رویہ پر کچھ بے چین سی نظر آنے لگی ہے۔ اس نے معنی خیز انداز میں جوزف کی طرف بھی دیکھا تھا۔ کریم کے چلے جانے کے بعد اس نے آہستہ سے جوزف سے کہا۔ ”میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”پہلے کبھی وہ میکدیفائنگ گلاس ساتھ لانا نہیں بھولا کرنا تھا۔“

”پھر کیا خیال ہے۔“

”پتہ نہیں میں اس کی اس حرکت کو سمجھ نہیں سکی۔“

”میا خیال ہے۔۔۔ وہ پولیس کو مطلع کرنے لگا ہو گا۔“

”جو چاہو سمجھ لو۔۔۔!“

”تم ان کے عیوض کو لمبو کیا بھیتی ہو۔“

”چرس۔۔۔؟“

”او۔۔۔ ہو۔۔۔ وہاں کیاریٹ چل رہا ہے۔“

”سازی ہے چار ہزار روپے سیر۔۔۔!“

”ماں گڈنس۔۔۔!“

”کیا تم کبھی رہ پھے ہو اس بیٹس میں۔“

”کافی عرصہ تک رہا ہوں۔“

”کب سے خالی ہو۔“

”پانچ سال ہوئے ہیروں کی آخری کھیپ ہاگ کاگ سے لا یا تھا۔“

”اپنے رانا صاحب کے لئے کام کرتے تھے۔“

”ارے نہیں۔۔۔ وہ بہت شریف آدمی ہے۔ لاکھوں ایکڑ میں کھیتی باڑی کرتا ہے۔“

”پھر کب سے شروع کر رہے ہو۔ ہاگ کاگ میں چھ ہزار کاریٹ جل رہا ہے۔“

”چرس کا۔۔۔!“

”ہا۔۔۔!“

”چین کے سارے چری شاکر ہاگ کاگ ہی میں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ خیر میں سوچوں گا۔“

”پھرے داری مجھے بھی پسند نہیں ہے۔“

”بائیں موڑو۔۔۔!“ ریٹا نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

”لیکن میں وہاں بات کیا کروں گا۔“

”پکھ بھی نہیں۔ بات تو میں کروں گی۔ میری بتائی ہوئی قیتوں میں اگر کاہک تخفیف کرانے

کی کوشش کرے تو تم انکار کر دینا۔ جب میں تم سے کہوں کیوں شخ خیال ہے۔۔۔ تب تم کہنا۔۔۔

خیر دے دو۔۔۔ بس لفظ شخ خیال رکھنا اگر میں لفظ شخ نہ استعمال کروں تو انکار ہی کرتے رہنا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے زیادہ نہ بولنا پڑے گا۔“

”کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کپڑا ٹنڈ میں داخل ہوئی۔“

”چلو۔۔۔ اترو۔۔۔!“ ریٹا نے کہا۔

وہ گاڑی سے اتر کر برآمدے میں آئے۔ ریٹا نے دروازے پر کھڑے ہوئے باور دی ملازم کو

”سوچا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ میں پہلے بھی کئی بار اس سے بُرنس کرچکی ہوں۔“

”تو پھر خاموش بیٹھو....!“

”مجھے ابھی ہورہی ہے۔“

”چپ رہو۔“

ریٹاخاموش ہو گئی۔ لیکن وہ بار بار بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ کچھ دیر بعد پھر میسا کھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔

ایک بڑا سامنگینی فانگ گلاں اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ میز کے قریب بیٹھ کر خاموشی سے جواہرات کا جائزہ لیتے لگا۔ ان میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے گلپنے تھے وہ ان دونوں کی طرف دیکھنے بغیر نگیوں کے متعلق اظہار خیال بھی کرتا جا رہا تھا۔ جوزف نے کئی بار نگیوں سے ریٹا کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر بے اطمینانی ہی کے آٹاڑ پائے۔

کرٹل حیدر قریب بیس منٹ تک نگیوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر یہ یہک سر اٹھا کر اونچی آواز میں بولا۔ ”آپ لوگ اندر آ سکتے ہیں۔ میں اپنا طینان کر چکا ہوں۔“

دفترا چار بار دوی پولیس والے کمرے میں گھس آئے ان میں ایک سب اسکرٹ بھی تھا۔ ”بھی ہیں۔“ کرٹل حیدر ان دونوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”کیا مطلب....!“ ریٹا کی آواز کا نپ رہی تھی۔

”میری آنکھوں میں دھول جھوکنے آئے تھے تم لوگ... یہ سارے گلینے نظری ہیں۔“ کرٹل حیدر دہاڑا۔

جوزف کا نہ جیرت سے کھل گیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ وہی اسکلر ہیں۔“ سب اسکرٹ نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ گلینے نظری ہیں۔“ کرٹل حیدر دہاڑا۔

”تمہیں کس بات کی فکر ہے۔“ جوزف نے غرا کر کہا۔ ”میں نے کب کہا تھا کہ اصلی ہیں۔“ کیا تم ان میں سے کچھ اصلی کے دھوکے میں خرید چکے ہو۔“

”نہیں۔“

”تو پھر اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تم لوگ فراڈ ہو۔“

”ہم لوگ کچھ بھی ہوں تمہیں اس کی پرواہ نہ ہونی چاہئے کیونکہ میں نے ابھی تک تمہیں ان کے دام بھی نہیں بتائے۔“

”کچھ بھی ہو۔“ سب اسکرٹ نے کہا۔ ”تم دونوں حرast میں لئے جاتے ہو۔“

”دونوں کیوں؟“ جوزف نے آنکھیں نکالیں۔ ”ان گلینوں کا مالک میں ہوں یہ نہیں۔ اس بیچاری نے تو صرف فروخت کرادی ہے کیا تھا اور اسے بھی اس کا علم نہیں کہ گلینے نظری ہیں۔“

”کیوں....؟“ سب اسکرٹ نے ریٹا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ لیکن ریٹا سے جواب دینے کی بجائے جوزف کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”تم صرف مجھ سے بات کرو۔“ جوزف نے سب اسکرٹ سے کہا۔

”تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو۔“

”میں شیخ کو دانتا ہوں.... ناکچریا کا باشندہ۔“

”پاپسپورٹ دکھائے۔“

”پاپسپورٹ ساتھ لئے نہیں پھر تاہم میرے ہوٹل میں ہے۔“

”تم خاموش ہو شیخ۔“ ریٹا بول پڑی۔ ”جب تک میرا کوکیل بیہاں نہ پہنچ جائے تم ان لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرو گے۔“

”جب آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ کیوں ناٹگ اڑا رہی ہیں۔“ سب اسکرٹ غصیلے لہجے میں بولا۔

”میں نے تو نہیں کہا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ ریٹا کا پتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”نہیں میں تم خاموش ہی رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ تم خواہ مخواہ پتی میں نہ آؤ۔“ جوزف نے کہا اور ریٹا کے چہرے پر عجیب سے آثارِ دیکھے چھے دہ کسی اندر ورنی نگاش میں بتلا ہوں۔

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر بوجمل سا سکوت طاری ہو گیا۔

”ہتھڑیاں لگا دو۔“ آخر سب اسکرٹ نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ایک کاشٹبل نے ہتھڑیوں کا جوڑا انکال کر جوزف کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔

”آپ میرے وکل کے آنے سے پہلے انہیں بیہاں سے نہیں لے جائیں گے۔“ ریٹا نے کسی قدر غصیلی آواز میں کہا۔

”تھانے ہی میں لے آئیے گا وکل کو....!“ سب اسکرٹ خٹک لہجے میں بولا۔

”بہت بہتر۔“ رینا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

سب اسکڑنے کرنی حیر سے کہل۔ ”کرتل صاحب! محرب کو بیان لکھو اکارپے دستخط کر دیجئے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔“ پھر رینا کی طرف ہاتھ انھا کر بولا۔ ”ان کا بھی تحریری بیان۔“ وہ کرتل سے مصافی کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جوزف اس کے پیچے چل رہا تھا اور دو کاشیبل اس کے پیچے ٹھے۔

”پھر....!“ م عمر آدمی نے سوالیہ انداز میں آگھیں نکالیں۔

”کچھ بھی نہیں جناب.... وہ جیل میں ہے اور میں کچھ دیر پہلے بالکل آزاد تھا۔“ جوزف نے لاپرواں سے کہا اور جہاں لے کر منہ چلانے لگا۔

”مجھے اس کا بھی علم ہے کہ تم بڑے پیکڑ ہو۔“ م عمر آدمی زہریلے انداز میں مسکرا یا۔ ”شاید نشہ اکھڑ رہا ہے۔“

”ہاں بہت دیر سے نہیں پی۔“

پہلے تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے م عمر آدمی کچھ اور بھی کہے گا لیکن پھر وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ فھٹا چونک کر بولا۔ ”فائل نی سی سکٹی تھری لاو۔“

سب اسکڑ کر بے سے چلا گیا اور م عمر آدمی جوزف کو پر تھکر نظر وہن سے دیکھا رہا۔ تھوڑی در بعد سب اسکڑ فائل سمیت والہم آیا۔

م عمر آدمی نے مفاظرانہ انداز میں فائل اسکے ہاتھوں سے چھپت لیا تھا اور دیر تک اسکی ورق گردانی کرتے رہنے کے بعد پھر جوزف کی جانب اس طرح متوجہ ہوا تھا جیسے چھڑا ہی تو کھائے گا۔ ”ہوں! تو تم عمران کے ساتھ ہو آج کل....!“ اس نے غصیلے لمحے میں کہا۔

جوزف نے اعتراف میں سر ہلا دیا لیکن اس کا چہرہ بالکل ساپٹ تھا۔

”عمران کہاں ہے۔“ میں عرصے سے اس کی خلاش ہے۔“

”ان کی خلاش کیون ہے آپ کو۔“ جوزف نے پر سکون لمحے میں پوچھا۔

”اس نے کہ عادل آباد کی ایک عدالت کا سمن آج تک اس پر قیمل نہیں کر سکا وہ سمن لینے سے گریز کر رہا ہے۔“

”ہو گا....!“ جوزف نے لاپرواں سے شانوں کو جبٹش دی۔ ”اپنے معاملات وہ خود ہی جانیں۔“

”نہیں تم بھی جانو۔... تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں مل کئے گا۔“ م عمر آدمی میز پر ہاتھ مار کر دھڑا۔

”میں نہیں جانتا.... وہ کہاں ہیں۔“

”لے جاؤ۔“ م عمر آدمی حلق کے بل چیخا۔ ”مرمت کرو۔“

ٹھیک اسی وقت وہ محرب رینا سمیت کر کے میں داخل ہوا جو کرتل حیر کا بیان لکھنے کے لئے دیں رہ گیا تھا۔

سب اسکڑنے کرنی حیر سے کہل۔ ”کرتل صاحب! محرب کو بیان لکھو اکارپے دستخط کر دیجئے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔“ پھر رینا کی طرف ہاتھ انھا کر بولا۔ ”ان کا بھی تحریری بیان۔“ وہ کرتل سے مصافی کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جوزف اس کے پیچے چل رہا تھا اور دو کاشیبل اس کے پیچے ٹھے۔



جوزف کو پندرہ میں منٹ تک ایک بند گاڑی میں سفر کرنا پڑا تھا۔ اس نے اس کا اندازہ کرنا ملکن ہی نہیں تھا کہ اسے کن راستوں سے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد گاڑی کسی جگہ رکی اور اس سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ وہ بے چوں و چر گاڑی سے اتر آیا۔... باہر چاروں طرف اندر پھر اپھیلا ہوا تھا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ ایک عمارت میں داخل ہوئے اور بالآخر ایک کرے میں پہنچ کر رک گئے۔ سامنے ہی ایک پرو قار م عمر آدمی بیٹھا نظر آیا۔ اس نے جوزف کو تیکھی نظر وہن سے دیکھا تھا۔

”کیوں کیا ہے؟“ اس نے سب اسکڑ سے پوچھا۔

”جباب عالی۔“ کرتل حیر نے جس سطھ میں ہم سے مرطلب کی تھی اس فراڈ کا ذمہ دار بھی شخص ہے۔ اپنا نام شیخ حمزہ کو وہنا بتاتا ہے اور نائجیریا کا باشندہ ہے۔“

”کیا ابک رہے ہو۔“ م عمر آدمی نے تیز لمحے میں پوچھا۔

”بھی ہاں جناب۔“

”کیا نام بتاتا ہے۔“

”حمزہ کو وہنا...!“

”ارٹے یہ ہیوی ویٹ چینی پھن جوزف ہے کیوں بد معاش تم پھر دکھائی دیئے۔“

”میرا خیال ہے کہ میں پہلے کبھی نہیں آیا۔“

”تو کیا شکوہ آباد کے ڈاکٹر طارق کا ملازم نہیں تھا؟“

”بالکل تھا....!“

”ڈاکٹر طارق کو کس بنابر سزا ہوئی تھی۔“

”جعلی نوٹ چھاپتا تھا اور انہیں مشرق و سطھ کے لئے اسمگل آؤٹ کرنا تھا۔“

پکھ دیر پہلے اس نے جوزف سے متعلق پیغام شرکیا تھا کہ جوزف اور ریٹا کا تعاقب نہ کیا جائے۔
یہ پیغام اُسے الفاظ کی بجائے صوتی اشاروں میں موصول ہوا تھا اور اس نے متعلقہ لوگوں کو
کوڑا ورڈز میں مطلع کیا تھا۔ یہ صوتی اشارے صرف صدر کے لئے مخصوص تھے۔ ایکس ٹو کے
دوسرے ماتحتوں کو ان کا علم نہیں تھا۔

لیکن صدر کو حیرت تھی کہ آخر جوزف کا تعاقب کرنے سے کیوں روکا گیا ہے جبکہ ریٹا کے
بارے میں یقین کیا جا چکا تھا کہ وہ اجنبی یہاں کی ایک سرگرم رکن ہے اور ان لوگوں سے تعلق
رکھتی ہے جو عمران کی خلاش میں ہیں۔

پتہ نہیں وہ اُسے کہاں لے گئی ہو؟ کیا گذری ہو اُس پر؟
بڑی دیر تک وہ ان کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا۔ پھر خیال آیا مگر ہے خود ایکسو نے ان
کا تعاقب کیا ہو۔ اس معاملے کو دوسروں پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا ہو۔



جوزف ایک ستوں سے بندھا کھڑا تھا۔ پشتِ نگلی اور اس پر بھی بھی اُبھری ہوئی دھاریاں کی
نظر آرہی تھیں۔ جوزف کامنہ ستوں کی طرف تھا اور قریب ریٹا کھڑی سکیاں لے رہی تھیں۔
آخر اُس نے رفت آمیز آواز میں کہا۔

”جوزف جھوٹ موث ہی کسی جگہ کا نام لے دو۔“
”کیوں.....؟“

”ورن یہ لوگ مارڈاں گے۔“

”مارڈاں لیں۔“ جوزف نے لاپرواٹی سے کہا۔

”میرے خدا کتنی بے دردی سے پیٹھ رہے تھے... شاکد چوپا یوں پر بھی انہیں رحم آ جاتا
لیکن تم پر نہ آیا۔“

”بارنا اور مار کھانا میرا پیش ہے۔“ جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔
”میں فاکٹر ہوں۔“

”لیکن مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ میں نے ہی تمہیں اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔“

”بھول جاؤ۔“ جوزف غریا۔ ”بُرنس میں اکثر خارہ بھی ہو جاتا ہے۔“

”تم نہیں سمجھے۔ نہیں سمجھ سکتے۔... تم بہت اونچے آدمی ہو جوزف.... تھہارے نیاہ فام

”کیوں؟ کیا ہے؟“ سب انگلٹر نے پوچھا۔

”بناب مجھے اس عورت کو بھی ساتھ لانا پڑا مجھے شہر ہے کہ یہ محض بروکر کی حیثیت نہیں
رکھتی۔“

”یہ کون ہے؟“ معمراً دی نے سب انگلٹر سے پوچھا۔

”جی وہی عورت جس کا تذکرہ میں نے کیا تھا۔“

”اوہ....! وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔“ تم بتاؤ عمران کہا ہے؟“

”م..... میں یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔“

”یہ ٹھیک کہتی ہیں۔ میری ان سے آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔“ جوزف نے سپاٹ آواز میں کہا۔

”تم جواہرات کی بروکر ہو۔“ معمراً دی نے ریٹا سے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”یہ اپنے نقلی جواہرات تھہارے تو مطے سے فروخت کرنا چاہتا تھا....!“

”نج..... جی ہاں.... جی ہاں۔“

”اور اس نے تمہیں اپنام شیخ حمزہ کو وٹڑا بتایا تھا۔“

”نن.... نہیں.... جی ہاں۔“

”اوہ.... سب بکواس ہے۔“ معمراً دی پھر میز پر گونسہ مار کر دہاز۔

”دونوں کو لے جاؤ.... انہیں اگلنا پڑے گا۔“



فرانسیس پر ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز کوڑا ورڈز میں پیغام شرکر رہی تھی اور اُس کے
سارے ناتھ مختلف مقالات سے اُسے نوٹ کر رہے تھے۔

”ڈپنی گلکش طاہر صدیقی کے بیگل کے سامنے والی عمارت بے حد اہم ہے۔ بڑی کی وہاں لے
جائی گئی تھی لیکن اُسے دوبارہ نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس کے باوجود بھی عمارت خالی پڑی
ہے۔ لڑکی کا سراغ اب تک نہیں مل سکا۔ عمارت کی کڑی گلگرانی کی جائے.... اور.....!“

پیغام دصول کرنے والوں میں صدر بھی تھا۔ لیکن یہ پیغام خاص طور پر اُس کیلئے نہیں تھا۔
اُسے تو پہلے ہی حکم مل چکا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں رہے۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ بعض اوقات ایسا
بھی ہوتا تھا کہ ایکس ٹو کی بدایت کے مطابق اُسے دوسروں کیلئے پیغام شرکرنے پڑتے تھے۔ مثلاً

سینے میں ایک بُرہ نور دل ہے۔
”میں نہیں جانتا... تم اگر مجھے پتے نہیں دیکھ سکتیں تو ان سے کہو کہ تمہیں کہیں اور لے جائیں۔“

”اوہ... جوزف... جوزف... میں آدمی کی بُنگی ہوں... مجھے کسی کہتی نہیں جنم دیا تھا... میں کیا کروں۔“
”پچھے سمجھیں نہیں آتا تو یہ کرو کہ میرے سامنے کھڑی ہو کر اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ کسی دوسرے گوشے میں چلی جاؤ۔“

”وہ... پھر آرہے ہیں... اُوہ خدا...!“

دفعتہ دروازہ ھکلا اور سب انپکٹر کرے میں داخل ہوا
وہ چند لمحے جوزف کو ھمارت آمیز نظرؤں سے دیکھا رہا پھر بولا۔ ”یہ تو بہت ہلکی قسم کی درزش تھی اب بچھ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

”مجھے ہٹاؤ یہاں سے خدا کے لئے میرے سامنے...“

”تم خاموش رہو۔ وکھو اور اسے جبود کرو کہ عمران کا پتہ بتا دے۔“

”میں قسم کھا سکتی ہوں کہ یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔“

”لیکن اس کلوٹ سے تو بہت پرانی دستی کھٹی ہو۔“

”ہم آج ہی ملے تھے۔ جوزف غریا۔“ کیا تم سن نہیں سکتے۔ بہرے ہو۔“

”ابھی بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔“ سب انپکٹر نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔

”میں کیا کروں۔ میں کیا کروں۔“ ریالاپنے بال مٹھیوں میں جکڑتی ہوئی بڑی بڑی پھر جوزف سے بولی۔ ”خدا کے لئے کوئی ایسا سیدھا پتہ بتا دو۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ دیں گے اور بواہرات والے معاملے کو بھی آگے نہ بڑھائیں گے۔ تمہارا نقشان ہی کیا ہے اگرہہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اسے نہ پاس کے تو تم کہہ سکو گے ممکن ہے وہ تمہیں اطلاع دیئے بغیر کہیں اور چلا گیا ہو۔“

”وہ اسے پالینے کے بعد ہی مجھے چھوڑ دیں گے۔“ جوزف نے کہا۔

”اس کی ذمہ داری میں لیتی ہوں... اچھا میں تمہیں ایک پتہ بتائی ہوں تم وہی دھرا دینا۔“

”تم کس طرح ذمہ داری لے سکتی ہو۔“ جوزف نے اسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔
وہ قریب اگر آہستہ سے بولی۔ ”جس طرح تم نے ہیر ول والا معاملہ قطعی طور پر اپنے سر

اوڑھ لیا تھا۔“

”وہ تو بُرہ فس تھا۔ اس پاریا اس پار۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو ان ہیر ول کا مالک ظاہر کروں گا۔ لہذا اب تک کے جارہا ہوں۔“

”لیکن یہ تو سوچو کہ میں نے تم سے فراڈ کیا تھا۔ تمہیں بتایا نہیں تھا کہ ہیرے نقی ہیں۔“

”پچھے بھی ہو۔۔۔ جوزف بالصول آدمی ہے جو بات ایک بار زبان سے کہہ دی اسے پھر کی کیس سمجھو۔۔۔ میں کہہ تو بُرہا ہوں کہ میں اس کو خسارے کا سودا سمجھ کر سب پچھے برداشت کروں گا۔ بُرہ میں خسارہ ہونے کی بنا پر ہم فریق ٹانی کو مدار تو نہیں پہنچتے۔“

”تم بچھ بہت اوپنجے ہو۔۔۔ بچھ بتاؤ میرے حسن سے تو متاثر نہیں ہوئے۔“

”چھی...!“ جوزف بُر اسامنہ بنا کر بولا۔ ”مجھے ہر سفید فام سے نفرت ہے خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت....!“

”اس کے باوجود بھی۔“

”ہاں.... زبان.... زبان دے چکا تھا تمہیں.... اب چاہے گردن کٹ جائے۔“

”میں نے تمہیں بہت بڑا دھوکا دیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ زندگی میں پہلی بار اپنی کسی حرکت پر بیچھتا وہاں ہو اب ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”سب پچھے تادوں گی خدا کے لئے تم میرا تیا ہو اپنے انہیں بتاؤ۔“

جوزف جرأت سے آنکھیں پھاڑے تھوڑی دیر تک پچھے ہو جتا رہا پھر سر بلہ کرو بولا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں انہیں تمہارا بتایا ہو اپنے بتادوں گا۔“



صیحہ نے وہ رات اپنے کمرے میں ٹھیل کر گزاری۔ جیسے ہی کلاک نے باتھ ججائے کمرے سے باہر آگئی۔ ابھی گھروالے سور ہے تھے۔ اس نے سوچا کہیں وہ گھری نیند سور ہا ہو۔ سوتا ہی رہ جائے اور گھر کا کوئی فرد اسے کوٹھری میں دیکھ لے۔

وہ برآمدے سے گذرتی ہوئی لان ملک آئی۔ چند لمحے کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر کوٹھری کی طرف چل پڑی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ پہلی رات وہ اتنا مطمئن تھا کہ سونے سے قبل دروازے کی کندھی بھی

”وہ نہ مرتا تو میں مر جاتا۔ اب جاؤ۔“ وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیتا ہوا بولا۔
صیحہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ذہن میں آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔ وہ بے چوں و چرا
دروازے کے باہر نظر آئی اور پھر قریب ہی جھاڑیوں میں چھپ رہنا بھی مشینی ہی طور پر عمل
میں آیا تھا۔ ارادے کو اس میں دخل نہیں تھا۔
کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ اختر ایک بڑا سائبیل اپنی پشت پر لادے کو ٹھری سے برآمد
ہو رہا ہے۔ اتنا اندر ہیرا بھی نہیں تھا کہ وہ دیکھے ہی نہ سکتی۔
وہ چانک کی طرف جانے کی بجائے اُسی طرف جا رہا تھا جو دھر سے دپھر کو دیوار پھلانگ کر
بھاگا تھا۔



صحیح ہوتے ہوتے ایک بار پھر جوزف کی پہاڑی ہوئی اور اس نے ریٹا کا بتایا ہوا پتہ دہرا دیا۔۔۔
لیکن اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ اُسے چھوڑ دیں گے۔ ایک جرم میں بہر حال ملوث ہو چکا تھا۔
سب اپنکے اپنے ساتھیوں سمیت باہر چلا گیا اور جوزف نے ریٹا سے مکرا کر کہا۔ ”تمہارا
خیال تھا کہ پتہ بتاتے ہی وہ ہمیں رہا کر دیں گے۔“
”تم فکر نہ کرو۔۔۔ انہیں اپنا اطمینان کر لیتے دو۔۔۔ ٹھیک ہے وہ ہمیں اُسی وقت چھوڑ دیں
گے جب ہمارے بتائے ہوئے پتہ پر دیکھے بھاول کر لیں۔“
”میں نہیں کچھ سکتا کہ ناکامی کے بعد وہ کیسے یقین کر لیں گے کہ میں نے صحیح پتہ بتایا تھا۔“

”میں دیکھ لیوں گی۔“

”تمہارا اوکیل کہاں ہے۔“

”اب کیا بتاؤں۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی ہی اختیار کرو۔“

”اگر کچھ دیر اور شراب نہ ملی تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں گا۔“

”تم اتنی زیادہ کیوں پیتے ہو۔“

”میں نے آج تک اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اچھا بُ مجھے کچھ دیر
سوئے دو۔“

”اس طرح کھڑے کھڑے نیند آجائے گی اور یہ لبے لبے زخم۔۔۔ کیا تم ان کی موجودگی میں
سوکو گئے۔“

نہیں چڑھائی تھی۔ حالانکہ اُسے مختار ہنا چاہئے تھا۔
اس وقت بھی اُس نے جیسے ہی دروازے پر با تھر رکھا دنوں پاٹ کھل گئے۔ وہ اندر آئی
ثارج روشن کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر پیچے ہٹ گئی۔ چارپائی پر اختر کی بجائے کوئی
اور چٹ پڑا ہوا تھا۔
وہ بوكھلا گئی۔ لیکن جلد ہی اپنی اس بوكھلاہٹ پر بھی بھی آئے گی۔ اُس نے سوچا اے
بہر دپ بھی تو ٹھر سکتا ہے وہ۔ کہیں اب کوئی دوسرا ایک اپنے اختیار کیا ہو۔
دبے پاؤں چلتی ہوئی وہ چارپائی کے قریب آئی اور موچھ کے سرے کو چلکی سے پکڑ کر زور کا
چھمکا مارا۔ خیال تھا کہ نفلی موچھ اکھڑتی چلی آئے گی۔ لیکن وہاں تو اُس جبٹکے کے ساتھ سڑھی اور
املاکا پلا آیا تھا۔

بوكھلاہٹ میں گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور سر جنکے پر جا پڑا۔ لیکن جسم میں جبٹک نہ ہوئی۔
اس حرکت پر شاید بیہو ش آدمی کی بھی چیخ نکل جاتی۔
”پہ اختر نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں۔۔۔ اس کی موچھ تو نفلی ہی ہو سکتی تھی۔ جو نہایت آسانی
سے اکھڑتی۔ پھر یہ کون ہے۔ اس کے کان پر توجوں بھی نہ رینگی۔
اس نے پھر ثارج روشن کی لیکن ٹھیک اُسی وقت کسی نے آہستہ سے کہا۔ ”ثارج بھادو اور
بیہاں سے چلی جاؤ۔“

وہ اچھل کر مڑی۔ اختر سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ثارج اس سے لے
لی اور اس کا سوچ آف کر دیا۔

”یہ کون ہے؟“
”خاموش رہو۔۔۔ بلکہ بیہاں سے چلی ہی جاؤ تو ہتر ہے۔ اجالا چلنے سے پہلے میں اسے بیہاں
سے نکال لے جانا چاہتا ہوں۔“

”یہ کون ہے۔ اسے کیا ہوا ہے۔ کیا بیہو ش ہے۔“
”نہیں مر چکا ہے۔“
”لیں مطلب....!“

”یہ انہیں لوگوں میں سے ہے۔ پولیس کے ساتھ یہ بھی تھا غالباً صرف اسے ہی خدا شخ
کہ میں رات بیہیں بس کروں گا۔ تھا آیا تھا۔“
”لیکن مرا کیسے...!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے گلاس میں اٹھ لیں کر پہلے جوزف کی طرف بڑھائی۔ ... جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گیا اور گلاس دوبارہ ریٹا کی طرف بڑھاتا ہوا بول۔ تمہیں جتنی لینی ہو لے کر بوتل میرے حوالے کرو۔"

ریٹا نے اپنے گلاس میں تھوڑی سی اٹھ لی تھی۔ ... شاید اُس سے زیادہ پی بھی نہ سکتی کونک پانی ملانے بغیر پینے کی عادت نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ریٹا جوزف کی طرف پھر بوتل بڑھاہی رہی تھی کہ ڈرائیور غرایا۔ "میں قارون نہیں ہوں... لاو بوتل اوھر دو۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ریٹا نے کہا اور بوتل ڈرائیور کی طرف گھماوی۔ جسے جھٹکے کے ساتھ اُس کے ہاتھ سے لے لیا گیا۔

ریٹا نے سر بھاری بھاری سامسوس کیا۔ ... جوزف کی طرف دیکھا وہ بھی پھر اوٹھنے لگتا۔ آہستہ آہستہ دونوں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔



دوبارہ ریٹا کی آنکھ کھلی تو بد جواس ہو گئی کیونکہ اُس اجنبی کی گاڑی میں ہونے کی بجائے خود کو ایک آرام دہ سہری پر پیلا تھا۔ ... اور جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

یہ کسی کی خواب گاہی تھی۔

دروازہ کھلا نظر آیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور شنگے پھر ہی دروازے کی طرف بچپنی۔ دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں آئی یہاں جوزف کو دیکھا جو سہری پر پڑا جسم تاں کر جاہیاں لے رہا تھا۔

"ہم کہاں ہیں۔" وہ اُس کی جانب جھپٹتی ہوئی بولی۔

"ایں....!" وہ بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"اب ہم یقیناً کبی بڑی مصیبت میں پڑنے والے ہیں۔" ریٹا نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"ہم اُس گاڑی میں تھے تھا۔"

"ہاں.... ہاں....!" جوزف نے احتفانہ انداز میں آنکھیں نکال کر سر ہلا کیا۔

"تو پھر یہاں کیسے پہنچے۔"

"ہاں مجھے نیند آجائے گی.... تم فکر نہ کرو۔" ریٹا خاموش ہو گئی۔ جوزف نے اُس سے یہ بھی نہ کہا کہ اگر وہ چاہے تو اُسے اُس رسی سے نجات دلا سکتی ہے جس نے اُسے ستون سے جکڑ کھاتا تھا ذرا اسی دیر میں وہ گھری نیند سو گیا۔ پھر اُسی وقت آنکھ کھلی تھی جب اُسے رسی کے ہلوں سے آزاد کیا جا رہا تھا۔ آنکھ کیا کھلی تھی بس وہ اسی قدر بیدار تھا کہ چونکاۓ جانے پر اپنے جسم کو پولیں والوں کے احکامات کے مطابق حرکت دے سکے۔

انہوں نے کسی کاغذ پر اُس کے دستخط بھی لئے تھے۔ اس کے بعد ان دونوں کو پھر اُسی بند گاڑی میں بھاگ دیا گیا تھا جس پر جوزف یہاں تک لایا گیا تھا۔

وہ گاڑی پر بیٹھا اونگھتارہ۔ ریٹا بھی اس کے قریب ہی بیٹھی تھی دن کے گیارہ بجے تھے۔ اس بند گاڑی کے ڈرائیور نے انہیں ایک سنسان سڑک پر اتار دیا۔ ... اور گاڑی ڈرائیور سی دیر میں ان کی نظر وہ اچھل ہو گئی۔

جوزف خاموش تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی ضرور تھیں لیکن بیدار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سڑک کے کارے کھڑے رہے۔ جوزف بدستور غلاء میں گھوڑے جا رہا تھا۔

دفعنا ایک کار دکھائی دی۔ ... اور ساتھ ہی اس کی رفتار بھی کم ہوتی رہی اور پھر وہ ٹھیک اُس جگہ آر کی جہاں وہ دونوں کھڑے رہے۔

"لفٹ چاہئے۔" ڈرائیور کرنے والے نے کھڑکی سے سرنکال کر کہا اور جوزف میساختہ اچل پڑا۔ ... منہ کسی قدر کھلا تھا لیکن پھر دانت سختی سے ایک دوسرے پر جم گئے تھے۔

"بہت بہت شکریہ...!" ریٹا بولی۔ "میرا ساتھی بیمار ہے۔" اُس نے پچھلا دروازہ کھول کر جوزف سے اندر بیٹھنے کو کہا اور اُس کے بیٹھ جانے کے بعد خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

"کہاں جانا ہے۔" ڈرائیور نے پوچھا۔ "پہلے کسی بار میں لے چلو۔ ... میرا ساتھی بیمار ہے۔ برانٹی اُس کے لئے مفید ہو گی۔"

"اوہو... برانٹی تو میرے پاس بھی موجود ہے۔ اگر کسی کام آئے۔" اُس نے سیٹ کے پیچے ہاتھ ڈال کر ایک بوتل نکال جو چوہائی خالی تھی۔ موی کاغذ کے دو گلاس نکالے اور پچھلی سیٹ کی طرف بڑھا دیا۔

"بہت بہت شکریہ...!" ریٹا بولی۔ شائد وہ خود بھی کچھ پینے کی ضرورت شدت سے

”اوہ...!“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ پوری عمارت میں گھومتے پھرے لیکن باہر جانے کے لئے کوئی ایسا دروازہ نہ مل سکا جو مغلنہ ہوتا۔ پوری عمارت میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ اس وقت ایک ایسے کمرے میں تھے جسے لا بُریری ہی کہا جاسکتا تھا۔ چاروں طرف الماریوں میں کتابیں لگی ہوئی تھیں اور ایک بڑی میز تھی جس کے گرد کئی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

دفعتہ ریانے میز پر سے سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور فریب ہی پڑی ہوئی پھل سے اُس پر لکھنے لگی۔ ”کیا تم لکھ پڑھ سکتے ہو۔“

اور وہ کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ جوزف اُسے دیکھ کر اثاثات میں سرہلاتے ہوئے سکریا۔ ریانا پھر لکھنے لگی۔ ”میں نہیں چاہتی کہ ہماری آوازیں سنی جاسکیں۔ ہو سکتا ہے کہ بیہاں ڈکٹافون پوچھیدہ ہوں۔ میں نے ابھی تک تمہیں دعوے کیں میں رکھا ہے لیکن یقین کرو اُسی وقت سے میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا تھا جب تم نے کرمل حیر کے بیہاں سارے اڑامات اپنے سر لے لئے تھے میں تمہارے ناپ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تم ابھی کسی عورت سے جنی طور پر متاثر نہیں ہو سکتے۔ تمہارا وہ اقدام محض اصولوں کے تحت تھا۔ تم ایک ایماندار آدمی ہو۔ تمہاری انسانیت نے مجھے متاثر کیا تھا۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پولیس والے نہیں تھے۔ میں اُنہیں تمہارے باس کی تلاش ہے۔ میں انہیں لوگوں کے لئے کام کر رہی ہوں۔ کرمل حیر پہلی بار میرے سامنے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی انہیں لوگوں سے تعلق رکھتا ہو۔ اسکیم یہ تھی کہ مجھے اور تمہیں ایک جگہ بند کر دیا جائے تمہیں یہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے کہ پولیس کو تمہارے باس کی تلاش ہے۔ اگر اس کا پتہ بتا دو تو جواہرات کے سلسلے میں فریب دہی کا مقدمہ بھی تمہارے خلاف نہیں قائم کیا جائے گا۔ میں تمہیں اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی۔ میں نے دیکھا کہ تم نبڑی طرح پشت رہے ہو لیکن پتہ نہیں بتاتے تو میرا دل پھٹنے لگا۔ میں نے تمہیں اس پر آمادہ کیا کہ میرا ہتھیا ہوا پتہ تم انہیں بتا دو تاکہ وقتی طور پر ہی کسی اس اذیت سے تو نجات مل جائے۔ وہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اسے تلاش کرتے رہے۔ واپسی پر شائد تمہیں جان ہی سے مار دیتے لیکن میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ میں اُس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ کسی دوسرے طور پر اسے مجبور کروں گی کہ اپنے باس کا سچ پتہ بتا دے۔ یہ

ہے پوری داستان.... اب خیال ہے کہ انہیں مجھ پر بھی شبہ ہو گیا ہے۔ اس لئے وہاں سے نکال کر بیہاں بند کیا ہے۔“

ریانا نے پھل ایک طرف رکھتے ہوئے کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اُسے غور سے پڑھتا اور سر ہلا تارہا۔ پھر خود بھی پھل اٹھا کر لکھنے لگا۔ ”انہوں نے شائد کسی کاغذ پر میرے دستخط لئے تھے۔ اُس کاغذ کی کیا نو عیت تھی؟“

”اُس اعتراف پر دستخط لئے تھے کہ تم نے جواہرات کے سلسلے میں کرمل حیر کو دھوکہ دیتے کی کوشش کی تھی۔“ ریانا نے لکھا۔

”لیکن جب وہ پولیس والے تھے ہی نہیں تو....!“ جوزف نے لکھا لیکن ریانا نے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

”بھجنے کی کوشش کرو۔ پولیس والے اتنی پتاں کرنے کے بعد کہ زخم سکھ ہو گئے ہوں کسی اعتراف نامے کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے اگر ایسا کریں تو خود ان کے خلاف وہی آدمی قانونی کارروائی کر سکتا ہے۔“

”لیکن وہ پولیس والے نہیں تھے۔“ جوزف نے لکھا۔ ”وہ دراصل تمہیں باور کرنا چاہتے تھے کہ وہ پولیس والے ہی ہیں تاکہ مجھ پر تمہارا اعتقاد بدستور برقرار ہے۔“

جوزف تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ”بالکل سمجھ گیا ہوں۔“

”شش....!“ اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

”میا تم سمجھتی ہو کہ میں بھی تمہاری طرح بیوشاں ہو گیا تھا۔“ جوزف نہ کر بولا۔

”اگر ایسا ہی ہے تو بھی خاموش رہو۔“ ریانا نے پھل اٹھا کر کاغذ پر لکھا۔

”ختم کرو۔“ جوزف بُر اسامہ بن اکرم کر بولا۔ ”میں نے ایک ہی گلاس تو پی تھی۔ اس اتنی شراب میں جتنی خواب آور دوا ہو سکتی تھی اس نے مجھے اپنی مقدار سے کہیں زیادہ سرور بخش دیا تھا بس....!“

ریانا نے بوکھلا کر لکھا۔ ”خدا کے لئے خاموش رہو۔ ورنہ ہم دونوں ہی جان سے مار دیتے جائیں گے۔“

”فکر نہ کرو۔ سبھی جن چین کر مارے جائیں گے جنہوں نے یہ چکر چلا دیا ہے۔ تم میرے باس کو کیا سمجھتی ہو۔ ارے خدا نے دس ہزار آدمیوں کی عقل اُسے عطا کی ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو۔“

”میں اپنے باپ کو بھی اُس پر قربان کر سکتا ہوں۔“

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ”محضے رات کی ذیلی پر پہنچا ہے۔“

”تم ضرور پہنچو گی مطمین رہو۔ ہم تمہیں قید میں نہیں رکھیں گے۔ میرا بابا جرائم پڑھ عورتوں کی بھی بے عوقی پسند نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے عورت چاہے جیسی ہو، ہر حال میں مجرم ہستی ہے کیونکہ اُس نے بیخبروں ولیوں اور بڑے بڑے بزرگوں کو جنم دیا ہے۔“



سُنگ ہی تین دن سے ساجدہ کو راہ پر لانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔

”چلو... میں نے تسلیم کر لیا کہ تم انجمن کی وفادار ہو اور عمران کے پنج سے نکلنے کی کوشش کرتی ہو۔ لیکن اس میں کیا برائی ہے کہ تم پہلے بھی اس برائی میں ملوث رہ پہنچی ہو۔ اُس مل اوز کے لڑکے نے：“

”ہاں...!“ ساجدہ سر ہلاکر بولی۔ ”لیکن بعد میں اُسی مل اوز کے لڑکے کی پلی کی دوہنیاں بھی میں نے تو زدی تھیں۔“

”اُرے تم بعد میں میرا بھی قیمہ کر دینا...!“ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ دیکھو ماں جاؤ...! میں اس معاملے میں بے حد شریف آدمی واقع ہوا ہوں۔ اگر چاہتا تو تم پنج نہیں سکتی تھیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا...! عورت تو ایک نرم و نازک پھول ہے...! اس کے لئے قصاص بن جانا کم از کم میری جمالیاتی حس تو بروداشت نہیں کر سکتی۔“

”واقعی بڑے خوش ذوق ہو۔“ ساجدہ سکرائی۔ ”اچھا میں ایک تدبیر بتاتی ہوں۔ اب تم اللہ میاں سے دعا مانگو کہ میں راہ پر آ جاؤں...! اپنے فلسفے سے توبے حد بور کر پکھے ہو اور اُس کے خلاف میرے دلاںکی سن پکھے ہو...! اور میں تمہیں بتاؤں...!“ تم دراصل اپنے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”تم دراصل ایکد بیش از ازم کے مریض ہو اور بس...!“

”کئی بڑے آدمی اسی مریض میں بتلا رہ چکے ہیں۔ ان میں ٹالا ٹاک رو سو بھی تھا۔ رو سو کے اعتراضات پڑھے ہیں تم نے۔“

”تمہیں بیہاں کون لایا ہے؟“

”کون لایا ہے...؟“ ریٹانے بے ساختہ پوچھا۔

”میرا بابا...!“

ریٹا چھل پڑی۔

”ہاں وہ میرا بابا تھا۔ وہ اپنے خادموں کی طرف سے کبھی اور کسی حال میں بھی غافل نہیں رہتا۔“

”سب تو ٹھیک ہے۔“ ریٹا یک بیک چکنے لگی۔ ”مجھے بھی اُس کی صورت کچھ جانی پہنچانی سی گلی تھی کیونکہ ہم لوگ اُس کی تصویر دیکھے چکے ہیں۔ شاہد ایک میرے ویٹی بیک میں بھی پڑی ہو۔ لیکن اب کیا ہو گا۔“

”باس جانے!“ جوزف نے لاپرواں سے کہا۔

”باس...! اُدھے میں تمہارے باس کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”کیوں...؟“ جوزف کسی شکاری کتنے کی طرح چونا نظر آنے لگا۔

”وہ سب اُس سے بہت خائف ہیں۔ اُسے ٹلاش کر کے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ انجمن نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی۔“

”تمہارا باس کون ہے۔“

”جشید کیانی...! بیہاں کا سب سے بڑا ایڈو ویٹ...! وہ محترم آدمی جس نے بڑے پولیس آفیسر کا رو ادا کیا تھا۔ جشید کیانی ہی تو تھا...؟“

”وہ کیا چاہتا ہے؟“

”فی الحال تو یہیں چاہتا ہے کہ تمہارے باس کو ٹلاش کر کے قتل کر دیا جائے۔“

”مجھے اپنے باس سے ملاو۔“

”کہاں سے ملاو۔...؟ وہ تمہیں چھوڑ کر نہ جانے کہاں پلا گیا۔“

”کیا تم پر اس حد تک اعتماد نہیں کرتا کہ تم اُس کے پتے سے واقف ہو۔“

”میں خود ہی نہیں چاہتا کہ وہ مجھ پر اس حد تک اعتماد کرے۔“

”کیوں...؟“

”ہو سکتا ہے کسی قسم کی اذیت مجھ سے اس کا پتہ اگلو ہی لے۔“

”تو تم اس کے لئے جان دے سکتے ہو۔“

سنونگی موقع ایسے بھی آئے جب میں اُسے نہیں کیا۔
”کیوں...؟“

”ایک انجینئر سالگا مجھے روک دیتا ہے۔“
”کیا تم اُسے بہت دنوں سے جانتے ہوں۔“
”ہاں اُس وقت سے جب وہ لندن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔“
”اُس کا پیشہ کیا ہے۔“

”پولیس کے لئے کام کرتا ہے۔ اکثر پرائیویٹ کیسز بھی لے لیتا ہے۔“
”اجنبیں سے کیوں گزر گئی اس کی... اور اسے اس کا علم کیے ہوا اک انجین غیر قانونی حرکات کی مرکب بھی ہوتی رہتی ہے۔“

”پروفیسر راشد کی حمافت کی بنا پر انجمن روشنی میں آئی تھی ورنہ سارے کام بھسن و خوبی انجام پاتے رہتے... وہ میرے مختلف معلومات حاصل کرنے کیلئے عمران کے پاس دوڑا گیا تھا۔“
”تم کیا چاہتے تھے پروفیسر راشد سے....!“

”میں اس کا خاتمہ چاہتا تھا۔“
”کیوں؟ کیا وہ پوری تفہیم کا صدر نہیں تھا۔“

”یقیناً تھا....! لیکن جس ملک کے لئے انجمن کام کر رہی ہے وہ اُس سے غداری پر آمادہ ہو گیا تھا وہ پوری تفہیم کو اس طرح ایک دوسرے ملک کے حوالے کر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ انجمن کے کسی فرد کو اس تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے پائی اور وہ اسی طرح کام کرتی رہتی۔“
”وہ جانتا تھا کہ تم اُس کے پیچھے ہو۔“

”اُسے علم ہو گیا تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ میں کیوں اُس کی تاک میں ہوں۔ دراصل انجمن کے قیام کے بہت پہلے میرے دوسرے اس کے تعلقات رہے ہیں۔ ہم دونوں ہی ہیروں کے خط میں بتا تھے اور اکشن کے لئے ساتھ ہی بیر وی مالک کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار کسی بات پر جھکرا ہوا اور یہ اتنا بڑھا کر میں نے اُسے مارا لئے کہ قسم کھالی۔ پھر عرصہ تک ہم ایک دوسرے سے بے خبر ہے۔ میں اُس ملک کے لئے کام کرنے والا جس کے لئے راشد نے انجمن بنائی تھی۔ لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر ہے۔ ویسے ساری دنیا میں میرے مختلف بھی برائے قائم کر لی گئی تھی کہ میں مر چکا ہوں۔ پھر میرے ملک کی بیکری سروس کو علم ہو گیا کہ رانڈ کسی طرح غداری پر آمادہ ہے۔ اس کی سر کوبی کے لئے مجھے یہاں بھیجا گیا اگر

”میں نے پڑھے ہیں یا نہیں۔ اس بات کو یہیں ختم کر دو۔ یہ بتاؤ کہ انجمن سے تمہارا کیا تعلق ہے۔“

”فی الحال میں ہی اس انجمن کا صدر ہوں۔“
”مجھ پر پیلک گارڈن میں حملہ کس نے کیا تھا....؟“
”عمران یا عمران کے ساتھی سنے۔“

”کیوں؟ کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ میں انجمن کی وفادار ہوں۔“
”ہرگز نہیں۔“ سنگ نے تلخی نہی کے ساتھ کہا۔ ”صرف ہمیں یہ باور کرنا چاہتا ہے کہ تم انجمن ہی کی وفادار ہو۔“
”میں نہیں سمجھی۔“

”وہ مجھے چاہتا ہے.... کچھ سمجھ کر ہی کہتا ہو گا۔“
”میں بالکل نہیں سمجھی۔“

”اچھا تو سمجھو.... تم انجمن کی وفادار ہرگز نہیں ہو تم اس لئے یہاں بھجوائی گئی ہو کہ وہ تمہارے ذریعہ سے مجھ سک بچنے کے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں جس عورت میں دلچسپی لیتا ہوں اُسے اُس کی قبر سے بھی کھو دکاتا ہوں۔ لہذا کیوں نہ وہ تھمیں ہی آلہ کار بنائے۔“

”وہ کیا جانے کہ تم مجھ میں دلچسپی لیتے ہو۔“
”اوہ کیا وہ رات بھول گئیں جب میں تمہیں اُس دبی ہی جو میں لے گیا تھا اور وہ تمہاری تلاش میں وہاں جا پہنچا تھا۔“

ساجدہ پکھنہ بولی۔ اب وہ بھی سوچ رہی تھی کہ آخر گولی اس کے لئے کیوں نہیں تھی۔
کچھ دیر بعد سنگ ہی بولا۔ ”کسی کو یقین آئے یا نہ آئے مجھے یقین ہے کہ تم آج کل اُس کے سچھ پتے سے واقف نہ ہو گی۔ اُس کا کوئی ساتھی واقف نہ ہو گا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”مجھے بھی اس کے بارے میں بتاؤ۔“ ساجدہ نے گھکھایا کہ کہا۔ وہ قطعی طور پر بھلا بچی تھی کہ خود کس قسم کا رول او اکر رہی ہے۔

”قریب قریب اتنا ہی حرای ہے جتنا میں ہوں۔“ سنگ ہی نے سمجھی گی سے کہا۔ ”مجھے تو کم از کم تم جیسی عورتیں ہی سمجھ سکتی ہیں لیکن اُسے کسی قسم کی بھی عورت نہیں سمجھ سکتی.... اور اس واقعہ کے لئے عمران سیر یز جلد نمبر 36 ملاحظہ فرمائے۔“

بچپاہت سی محسوس کر کے چونک پڑی۔ وہ اُسے الگ لے جا کر گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

”مِ... میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم بہت ذین اور حرم دل ہو۔“

”شگریہ ڈیڑی۔“ اُس نے متیرانہ لمحہ میں کہا۔ ان کی گفتگو کا یہ انداز اُس کیلئے بالکل نیا تھا۔

”تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا۔“

”فلسفے میں ڈاکٹریت لوں گی.... اور کیا ڈیڑی۔“

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”پھر کیا مطلب تھا۔“

”مطلوب یہ کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہتے۔“

”اوہ نہ... وہ تو ہو ہی جائے گی۔ لیکن شادی کے بعد مجھے دوسرے کا پابند ہو جانا پڑے گا۔

پھر شائد میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکوں۔“

”تم تعلیم جاری رکھ سکو گی.... وہ اس میں قطعی مارچن ہو گا۔ اُسے سہارے کی ضرورت

ہے بے بی... تم رحم دل ہو... ہمدردی کے جذبات سے بھر پور... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں آپ....!“

”کر قل حیدر کی۔ وہ تمہاری بچو بھی کا لڑکا ہے۔“

”اوہ.... تو یہ مسئلہ پھر چھیڑ دیا آپ نے۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ میں پہلے ہی شدت سے

اس کی مخالفت کر چکی ہوں۔“

”کیا اس لئے کہ اس کی ایک ناگ خالق ہو گئی ہے۔“

”جی ہاں.... وہ قریب قریب پایا جے ہے۔“

”لیکن اتنی دولت رکھتا ہے کہ کئی پیشی بیٹھ کر کھا سکتیں۔“

”اُسی لئے تو وہ میری ہمدردی کا مخفی نہیں۔ دولت اُس کا سب سے بڑا سہارا ہے.... وہ بوجھ

جیسے سینکڑوں سہارے خرید سکتا ہے۔ میں شادی ضرور کروں گی لیکن کسی دوسرے کا انتخاب

کر بچی ہوں۔“

”کس کا انتخاب کر چکی ہو۔“ طاہر صاحب نے کسی قدر ناخوش گوار لمحہ میں پوچھا۔

”اگلے چوراہے پر پیپل کے درخت کے نیچے ایک فقری بیٹھا رہتا ہے جس کے دونوں ہاتھ

مقلوق ہیں۔“

”لیا کتی ہو۔“

راشد کو معلوم ہو جاتا کہ میں اپنا ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ اُسی ملک کی طرف سے بھجا گیا ہوں تو میری فکر میں پڑنے سے پہلے ہی وہ اُن ساری چیزوں اور کاغذات کو تلف کر دیتا جو انہیں سے

تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو یہی سمجھا تھا کہ میں صرف اپنی قسم پوری کرنے کے درپے ہوں اور...“

”ختم بھی کرو.... تم نے بھی مجھے کہن باتوں میں الجھالیاں کیا تھیں مجھ پر کبھی رحم نہ آئے گا۔“

”جیتے جی تو ناممکن ہے۔“ ساجدہ نے سجدگی سے کہا۔

”میں خوب جانتا ہوں تم عمران پر رسمی ہو۔ لیکن یقین کرو کہ وہ اُس حیثیت سے تھیں کبھی نہ دیکھے گا۔“

ساجدہ پچھہ نہ بولی۔ کسی گھری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔



صیبہہ تین راتوں سے برابر بالی کی کو ٹھری کے چکر لگاتی رہی تھی لیکن پھر اس حیرت انگیز آدمی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ اپنا سامان بھی کسی وقت اُس کی لامعلمی میں نکال لے گیا تھا۔

اُس نے سوچا ممکن ہے ڈیڑی کی واپسی کی بناء پر وہ یہاں سے چلا گیا ہو۔ اُس کے باپ طاہر صدیقی دورے سے واپس آگئے تھے اور انہیں گھر کے ہنگاموں نکے متعلق بھی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اختر والا معاملہ بھی اُن کے علم میں لا یا گیا۔

انہوں نے صیبہہ کی طرف اسی نظرؤں سے دیکھا تھا جیسے اُن کے اعتماد کو بھیں گی ہو۔

”سب فراؤ تھا ڈیڑی....!“ وہ نہ کر بولی تھی۔

”میں مان لیتا.... اگر وہ پکرانہ گیا ہوتا....!“ طاہر صدیقی نے مغموم لمحہ میں کہا تھا۔

”اُرے وہ پتہ نہیں کون شامت زدہ تھا۔ دیکھئے میں ابھی ثابت کئے دیتی ہوں.... وہ خط میں کے پاس ہے۔“

پھر وہ اُسی مضمون کا دوسرا خط لکھنے بیٹھ گئی تھی اور اپنے باپ کو مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ اُس

آدمی کے متعلق پھر بھی تشویش میں بیٹھا رہے تھے جس نے اس طرح پکڑے اور پیٹھے جانے کے باوجود بھی ان لوگوں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تھی.... ڈرائیور اور سیلی وائے

واعقات کے تذکرے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی لہذا صیبہہ نے اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا تھا۔ ڈرائیور کے بارے میں باپ کو بھی وہی کہانی شادی تھی جو ماں کو سنائی تھی۔

آج اچانک طاہر صاحب نے بے حد سجدگی سے اُسے مخاطب کیا اور وہ ان کے انداز میں

جہاں کن مقدمے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمہارے باپ کا عہدہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ مرنے والے کا بیان پولیس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اپنی رضامندی فوراً ظاہر کرو۔ صرف دونوں کی مہلت دی جاسکتی ہے۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور پرچے کو دوبارہ لفافے میں رکھ کر فائل میں ڈال لیا۔ اس جھال سے کیسے نجات ملے گی۔ اسے اخزیاد آیا۔... لیکن وہ بھی تو نہیں ملا کی دنوں سے اب کیا ہو گا۔ اب اگر سہیل والا واقعہ سامنے آتا ہے تو ذمہ داری بھی بریوالہ بنا کر کھڑے ہو جائیں گے کہ اس نے پہلے ہی انہیں کیوں نہیں بتایا جب سہیل اُس کا تعاقب کیا کرتا تھا لیکن اس بلکہ میلر کا کرٹل حیرت سے کیا تعلق۔ اودہ سمجھی وہ لٹگڑا مردوں ایسی اوچھی حرکتوں پر اتر آیا۔ برا گھمنڈ ہے دولت پر.... سب خاک میں نہ مل جائے تو سہی۔ لٹگڑا.... صورت حرام۔

وہ یونیورسٹی کے بس اسٹاپ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ایک خالی ٹیکسی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب سے گزری۔

”ٹیکسی...!“ اُس نے ہاتھ اٹھا کر آواز دی۔ ٹیکسی رک گئی۔ ڈرائیور نے نیچے اتر کر میرزاون کیا اور اس کے لئے چھپلی نشست کا دروازہ کھولا۔

وہ ڈرائیور کو گھوڑتی ہوئی ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ آنکھیں کچھ جانی پچانی سی لگ رہی تھیں۔ وفتا ڈرائیور نے آہستہ سے کہا۔ ”اس طرح نہ گھورو۔“

اور پھر وہ سیٹ پر اچھل ہی پڑی کونکہ وہ آواز اختر کی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور سختی سے ہوتھ بھیج لئے۔

ٹیکسی چل پڑی اور صبح نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم یہاں کہاں۔“

”کل سے ایک آدمی کا تعاقب کر رہا ہوں۔ وہ یہاں آیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔“

”گون تھا.... کیا گھر ہی سے میرا تعاقب کر تاہم تھا۔“

”نہیں.... یہاں آگر مختلف عمارتوں میں کسی کو ملاش کر تاہم تھا۔ جب نہیں دیکھا تو پھر آگے نہیں بڑھا۔ لا ببر یہی تک تمہارے پیچھے پیچھے تھا گیا تھا جب تم الماریوں میں کتابیں دیکھتی پھر رہی تھیں تو وہ ایک جگہ رک کر تمہاری گھرانی کرنے لگا تھا۔“

”تب تو یہ خط اُسی نے میرے فائل میں رکھا ہو گا۔“

”کیسا خط....!“

”میرا دل ہمدردی کے جذبات سے لمبیز ہے میں رحم دل ہوں میں اس کا سہارا بخوبی گی۔ اُسے کاکر کھاؤں گی.... اُسے دن بھر ایک ایک پیسے کے لئے حلق نہ پھڑانا پڑے گا.... میں اس کے لئے دنیا کی ہر آسانی سہیا کر دوں گی۔“

”بکواس بند کرو.... میں نے تمہیں بہت سرچھا لایا ہے۔“

”تیر کمان سے نکل چکا ہے۔“ صبح نے شانوں کو لا پرداں سے جنبش دی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

غصے سے اُس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کہ کرٹل حیرا اُس کی پھوپھی کا لڑکا تھا وہ اسے صرف اس حد تک پسند کرتی تھی کہ شاشتہ اور ملن سار تھا لیکن اس سے شادی کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ یقیناً اُس نے پھر ذیہی پر دباؤ ڈالا ہو گا اس سے پہلے بھی ایک بار اس کا بیغام آچکا تھا اور اُس نے شدت سے اُس کی مخالفت کی تھی۔ دولت محض دولت دولت پر سب خاک میں نہ مل جائے تو سہی۔ لٹگڑا.... صورت حرام۔

یوں کہہ طاہر صاحب کو آفس جانا تھا۔

بس اسیٹھ سک پیدل آئی۔ ٹیکسی سے پہلے یونیورسٹی کی بس مل گئی اُس نے سوچا آج بس ہی ہے۔ ہو سکتا ہے اب عوامی ہی قسم کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ ممکن ہے جگڑا اتنا بڑھ جاتا کہ اُسے خود اپنے بیرون پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنی پڑتی۔

یونیورسٹی میں بھی جی نہ لگ۔ کاس اسٹھ کرنے کے بعد لا ببر یہی کی طرف چلی آئی۔ اپنا فائل میرزاون پر ڈال کر الماری میں کتابیں دیکھنے لگی۔ کوئی کتاب پسند نہ آئی۔ اتنا کہ پھر میرزا کی طرف پیٹھ فائل اٹھایا اور چوک پڑی کیونکہ فائل کے صفات سے ایک لفافہ پھسلتا ہوا میرزا پر گرا تھا۔ اسے اٹھایا۔ نام اُسی کا تحریر تھا اور لفافہ بند تھا۔

اُس کے ہاتھ کا پینے لگ۔ سہی ہوئی نظر وہ چاروں طرف دیکھا۔ ساری ہی صورتیں جانی پچانی نظر آئیں۔ کوئی اجنبی نہ دکھائی دیا۔

لفافے کو پھر فائل میں رکھ کر باہر نکل آئی۔ دل کی ذہر کیس تیز ہو گئی تھیں وہ کوئی سنان گوشہ ڈھونڈنے لگی جہاں اُس لفافے کو کھول سکتی۔ آخر ایک جگہ موقعہ مل ہی گیا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے پرچے نکلا۔ انگریزی ناٹپ میں مضمون تھا۔

”تمہارے باپ نے جو کچھ کہا ہے اُس پر تمہیں عمل کرنا پڑے گا۔ انکار کی صورت میں ایک

”اُسی بیک میلر کی طرف سے موصول ہوا ہے۔“
 ”اوہ... اوہ...!“ صیحہ نے اُس کی آواز میں اضطراب محسوس کیا۔
 ”بیوں کیا بات ہے؟“
 ”تب تو میں نے غلط آدمی کا تعاقب نہیں کیا تھا اور اب وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔“ درائیور
 نے عقب نما آئینے کی پوزیشن بدلتے ہوئے کہا۔ ”تم پیچھے مڑ کرندے دیکھنا وہ سرخ رنگ کی سپورٹس
 کار میں ہے۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ صیحہ کپکپاتی ہوئی آواز میں یوں۔
 ”فلرمٹ کرو۔ مجھے پڑھ کر سناؤ کیا لکھا ہے۔“
 ”صیحہ نے خط کا مضمون دہر لیا۔ ذرا ایور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”تمہارے والد
 تم سے کیا چاہتے ہیں۔“

”اُن کی بندے شادی کروں۔“
 ”کسی خاص آدمی کی طرف خیال ہے۔“

”ہاں.... میرے پھوپھی زاد بھائی کا کاپیغام ہے۔“
 ”تو یہ بیک میلر اسی پھوپھی زاد بھائی کے حق میں تمہیں بیک میل کر رہا ہے۔“
 ”اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”ذرائل ذات شریف کا بھی آتا پاتا تاوت۔“
 ”یہاں کے بڑے آدمیوں میں سے ہے.... کر قل حیدر...!“
 ”اوہ.... وہ لنگڑا تو نہیں۔“

”وہی.... وہی.... کیا تم اسے جانتے ہو۔“
 ”کہیں دیکھا تھا....؟“ اُس نے لاپرواں سے کہا۔
 ”پھر اب میں کیا کروں؟“

”و دون کا وقت دیا ہے اُس نے... و دون بہت ہوتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
 ”کیا ٹھیک ہو جائے گا۔“

”وہی جو تم چاہتی ہو۔ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔“
 ”ہرگز نہیں۔“

”تو یہ شادی نہیں ہو سکے گی۔“

”لیکن بیک میلر....!“
 ”و دون بعد شاید اُس کا نشان بھی نہ مل سکے۔“
 ”تم کیا کرو گے۔“
 ”اس وقت وہ کام ہوا ہے کہ اب میں بہت کچھ کر سکوں گا۔“
 ”تم اب رات کو کہاں رہتے ہو۔“
 ”چکر لگاتی رہی ہو کو ظہری کے... کیوں؟“
 ”تن... نہیں... تو...!“
 ”پھر یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔“
 ”ارے تو تجویز کی کیا ضرورت ہے۔“
 وہ خاموش ہو گیا۔ سرخ رنگ کی اسپورٹ کار نیکی کے پیچھے اب بھی تھی۔

◎

ریشارڈ ایل چلتے چلتے رک گئی۔ حسب ہدایت اُسے ایک میل پیدل چلانا تھا تاکہ وہ اس پر
 بھی نظر رکھے کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔
 وہ دل ہی دل میں نہ رہی تھی۔ بھلا آب انہیں تعاقب کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ وہ
 انہیں کے لئے کام کر رہی ہے۔ وہ جو زوف سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ پہلے وہ اُس کا معنکھہ اڑایا کرتی
 تھی لیکن اب احترام کا جذبہ اُس پر ہنسنے سے روک دیتا تھا۔
 انجمن سے متعلق اُس کے خیالات بہت پہلے سے متزلزل تھے۔ انجمن میں شریک ہونے
 سے پہلے وہ اسے بے قدر کھلینڈرے اور ایڈ ونچر کے شائق آدمیوں کی تنظیم تصور کرتی تھی لیکن
 رفتہ رفتہ اُسے احساس ہوا تھا کہ اُس سے کئی جرام بھی سرزد ہو چکے ہیں اور اب وہ کبھی ان لوگوں
 سے چھکا دانپاکے کی اجتماعی حیثیت سے وہ ایک دوسرے کی پرده پوشی کر سکتے تھے لیکن الگ رہ
 کر شاید ایک دن بھی پولیس کی گرفت سے آزاد نہ رہ سکتے۔ لہذا کوشش کے باوجود بھی وہ اُن سے
 الگ نہ ہو۔

اب ایک موقعہ ہاتھ آیا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کے ساتھیوں سے آگرا تھی جسے انجمن
 کے مقام میں قتل کر دیئے جانے کی ایکسیم بھائی گئی تھی اور وہ آدمی پولیس کے لئے کام کر رہا تھا
 گلو خلاصی کے لئے بہترین موقعہ تھا۔

اس کے بعد ہی کرے میں داخل ہوا تھا۔
 ”بیٹھو... رہنا!...“ اُس نے کہا۔ ”یہ ساجدہ حبیب ہیں۔“
 ”میں جانتی ہوں۔“ ریٹانے تک لجھ میں کہا۔
 ”یہ اور اچھی بات ہے۔“
 ”تم کون ہو۔“ ریٹانے پھلاڑ کھانے والے لجھ میں پوچھا۔
 ”شش...!“ ساجدہ نے ہونتوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ ”ہمارا اصلی باس۔“
 ”یہاں مطلب...!“
 ”میں تم کا اصلی سربراہ۔“
 ”میں نہیں سمجھی۔“
 ”رفتار نہ سمجھ جاؤ۔“ چینی ہنس کر بولا۔
 ”مگر میرا پیغام تو جشید کیا تھا کہ لئے تھا۔“
 ”رہا ہو گا... ہاں تو تباو... وہ اہم اطلاع کیا تھی۔“
 ”یعنی... تو کیا یہ...!“ ریٹا ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”میرا مطلب یہ ہے۔“
 ”جشید کیا تھا اُنہیں کو جواب دے ہے۔“ ساجدہ نے کہا۔
 ریٹا تھوڑی درستک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”اُن لوگوں کو تمہارے اس طرح غائب ہو جانے پر بے حد تشویش ہے۔“
 ”ہوئی ہی پاہنے۔“ ساجدہ مکرائی۔
 ”تو اب تم اُن میں واپس نہیں جاؤ۔“
 ”کیا ضرورت ہے۔“
 ”اُرے میں اُس اہم اطلاع کا منتظر ہوں۔“ چینی بول پڑ۔
 ”میں تمہیں نہیں جانتی اس لئے کسی قسم کی اطلاع نہیں دے سکتی۔“
 ”تم غلطی پر ہو ریٹا مجھ پر اعتماد کرو۔“ ساجدہ بولی۔
 ”نہیں... تم کیا کیا سے فون پر گفتگو کر سکتی ہو۔“ چینی نے میز پر کھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا۔
 ”میں یقیناً ایسا ہی کروں گی۔“
 ”بہت محاط ہو۔“ چینی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا لیا۔ ”یہ اچھی بات ہے۔“

آج منجھ جوزف نے بڑی سمجھی گی سے اُسے اپنے باس کا پتہ بتایا تھا اور اُس نے اُس سے پوچھا تھا کہ اس طرح پہنچتا نے کام مقصود کیا تھا۔
 جوزف نے شانوں کو لا پرداں سے چینی دے کر کہا تھا۔ ”میں تمہیں جانتا مقصود و قصد۔ باس نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں ان کا پتہ بتا دوں۔“
 ریٹا سمجھ گئی کہ اس سے باس کا کیا مقصود ہے۔ خود اسکے ذمے انجمن کی طرف سے بھی کام تو تھا کہ وہ جوزف کوڈھرے پر لا کر اُس سے عمران کا وہ پتہ معلوم کرے جہاں وہ یعنی طور پر مل سکے۔
 اُس نے مخصوص ہر کارے کے ذریعہ جشید کیا تھا کو اطلاع دی کہ اُس کے پاس ایک اہم اطلاع ہے۔ جشید کیا تھا نے مخصوص ہدایات کے تحت اُسے ایک جگہ چینچے کے لئے بیخام بھجوایا تھا اور اب وہ اُسی بتائے ہوئے پتہ پر چینچے کے لئے ہوش سے نکلی تھی۔
 ایک میل پیدل چلنے کے بعد وہ باسیں جانب والے کچے راستے پر مڑ گئی۔ ادھر وہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں عالی شان کو ٹھیاں تو موجود ہیں لیکن سڑک آج تک پکی نہ ہو سکی۔ اگر ان کو ٹھیوں کے رہنے والے آپس ہی میں چندہ کر کے اس سڑک کو پختہ کرنا چاہتے تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی۔
 اُس نے مڑ کر دیکھا دو درستک کسی ایسے آدمی کا پتہ تھا جس پر تعاقب کرنے والے کا شبہ کیا جا سکتا۔ تیری عمارت کے پھانک پر وہ ٹھیکی۔ کیونکہ عمارت سنان معلوم ہوتی تھی۔ اسے یہیں آتا تھا۔ پھانک پر شم پلیٹ بھی موجود نہیں تھی۔ وہ پھانک سے گزر کر اُس روشن پر ہوئی جو پورچنگ تک جاتی تھی۔
 برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا بیٹن دبادیا۔۔۔ دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔
 ایک دیلا پٹا اور لمبا سا چینی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔
 ”اوہ... شایدیں مغلبل جلد آگئی ہوں۔“ ریٹا نے بوكھائیے ہوئے لجھ میں کہا۔
 ”بالکل صحیح آئی ہو۔ مس ریٹا جبرا ایں... اندر آ جاؤ۔“ اُس نے ایک طرف ٹہتے ہوئے کہا۔ لیکن لجھ میں اُسکی کوئی چیز ضرور تھی جس کی بنا پر ریٹا نے سخت توہین محسوس کی تھی۔
 قہر اجر اندر آئی۔ چینی اُس کے پچھے چل رہا تھا۔ آخر اُس نے ایک دروازے میں مڑنے کو کھا جیسے ہی وہ کرے میں داخل ہوئی ایک جانی پچانی ٹکل نظر آئی یہ ساجدہ حبیب تھی۔
 ”تم...!“ ریٹا کی زبان سے اتنا ہی لکھا پھر اُس نے اپنے ہونٹ تھکتی سے بھیجن لئے چینی بھی

ریٹا نے اٹھ کر کیانی کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے اُسی کی آواز آئی تو اُس نے اسے مطمئن کر دیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی سے گفتگو نہیں کر رہی جو اطلاع وہ اسے دینا چاہتی تھی۔ چینی کو بھی دئے سکتی ہے۔ ریسیور رکھ کر وہ چینی کی طرف مڑی۔ اب صرف وہی دونوں اس کمرے میں تھے۔ ساجدہ جاپکی تھی۔

”جو زف کا باس... دن بھر ادھر ادھر رہتا ہے۔“ ریٹا نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”لیکن رات ہر حال میں ڈپی ٹکٹر طاہر صدیقی کے بنگلے میں بس رہتی ہے۔ کیا وہنہ میں مالی کی کوھری ہے... وہیں سوتا ہے۔“

”طاہر صدیقی کے بنگلے میں! چینی بڑا کر کچھ سوچنے لگا۔ ریٹا خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔“ ”تمہیں یہ اطلاع کیسے ملی۔“ اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”جو زف نے بتایا تھا۔“
”خود بخود...؟“

”ہاں وہ بہت خائف ہے۔ اب تک اُسے خوف ہے کہ پولیس اُس کے خلاف ضرور کوئی نہ کوئی کارروائی کر پہنچے گی کیونکہ اُس سے کسی کاغذ پر دستخط لئے گئے تھے۔ میں بھی اُسے کہتی رہی ہوں کہ جب تک پولیس اُس کے باس تک نہیں پہنچ جاتی وہ خطرے ہی میں رہے گا۔“

”اُس نے وہ واقعہ اپنے باس سے ضرور بیان کیا ہو گا کیا خیال ہے تمہارا۔“ چینی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں بھلا اس کا کیا جواب دے سکوں گی۔“

”اُس نے یقیناً تذکرہ کیا ہو گا۔ اور اُس کا باس اتنا جھق نہیں ہے کہ اُسے صحیح آدمیوں کی کارروائی سمجھا ہو۔ اُس نے یہاں کے سارے تھاؤں سے اس کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں گی۔ تم سب احمق ہو۔ جشید کیانی نے مجھ سے اپنی اس ایکسیم کا تذکرہ نہیں کیا تھا، جو کچھ کرنا تھا احمدوں کی طرح کر بیٹھا۔... خیراب یا تو جوزف تمہیں الہ بنازرا ہے یا پھر تم مجھے اُو بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”لکھ... کیا مطلب...!“ ریٹا بوكھلا گئی۔

”کچھ نہیں...!“ چینی مسکرایا۔ ”کیا عمر ہو گی تمہاری۔“

”بیچس سال... مم... مگر کیوں؟ تمہیں کیا حق ہے میری عمر پوچھنے کا۔“ ریٹا کو غصہ آگیا۔
”اچھی لگتی ہو۔“

”شٹ اپ...!“

”مجھ سے محبت کرو گی۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ٹھہر دیتا ہوں۔“ وہ فون کی طرف چھپ لیکن چینی نے کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ کتنی سخت گرفت تھی۔ ریٹا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کلائی کی پڑی ٹوٹ ہی جائے گی۔

”وہ مسکرا کر بولا۔“ تم جوزف کے باس سے مل گئی ہو۔“

”چھوڑ میرا ہاتھ۔“ وہ آپ سے باہر ہو گئی۔ ”ہاں میں اُس سے مل گئی ہوں۔ گندے سور۔“
تم سب بہت جلد فنا کر دیئے جاؤ گے۔“

چینی نے قہقہہ لکھا اور بولا۔ ”میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا کہ تم مجھے الہ بنازرا ہی ہو۔“

پھر اُس نے اس طرح جھک کر دیا کہ وہ اُس سے آنکھ رہی اور اب وہ اس کے ہاتھوں کے حلقوں میں سچنے تھی۔ جیسے جیسے وہ الگ ہونے کی کوشش کر رہی تھی حلقة نگہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر وہ چینچنے لگی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ دروازے کی طرف سے ساجدہ کی آواز آئی۔

”سب ٹھیک ہو رہا ہے۔“ چینی نے کہا۔ ”تم ذرا دوڑ کر میرے لئے دو پگ بنالو۔“

”میں کہتی ہوں چھوڑو.... اسے ورنہ....!“

”بھاگ جاؤ...!“

”تم واقعی پکے سور ہو۔ ابھی مجھ پر مر رہے تھے.... اور اب یہ۔“

”مگر تم مرنے کب دیتی ہو۔“

”میں کہتی ہوں چھوڑ دو۔ ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔“ ساجدہ نے میز پر سے بیپرویت اٹھاٹے ہوئے کہا۔

ریٹا کی گھمکھی بندگی دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے اور پھر اُس نے چھوڑ دیا اب وہ ساجدہ کو گھوڑے جا رہا تھا۔

”تم میرا سر پھاڑو گی کیوں؟“ وفتحادہ سانپ کی طرح بھکھ کر ادا۔

”ہاں تمہارا سر پھاڑ دوں گی؟“

”رقبات...!“ وہ مسکرایا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔ لیکن اس قسم کی حرکتیں نہیں ہونے دوں گی۔“

”کسے اچھی طرح جانتی ہو۔“

”ہاں..... یہ بھی انجمن کی ممبر ہے۔“

”انجمن کی ممبر تو تم بھی ہو۔“ وہ باسیں آنکھ دبا کر سکرایا۔
ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اس نے پھر کہا۔ ”لیکن یہ بھی تمہاری ہی طرح عمران پر سمجھ گئی ہے۔“
ساجدہ نے ریٹا کو گھور کر دیکھا اور چینی نش کر بولا۔ ”یہ مجھے آؤ بنانے آئی تھی۔ بظاہر انجمن سے
متعلق ہے لیکن ان کی ہمدردی ہے۔ ان کی نہیں صرف عمران کی۔“

ریٹا خاموش تھی۔ غصے کے مارے براحال تھا۔ شر مندی بھی تھی اور اس جذباتی الجھاد نے
زبان الگ روک ترکی تھی۔ ورنہ اسے تو اپنے پڑنا تھا۔ اس ذہنی کلمکش کے دوران میں ایسا محسوس
کر رہی تھی جیسے اب سر چکرائے گا اور بے سرہ ہو کر گرپڑے گی۔
کچھ دیر بعد ساجدہ نے اس سے پوچھا۔ ”کیا یہ حق ہے کہ تم انجمن کے مقابلے کے خلاف کام
کرنے لگی ہو۔“

”بالکل غلط ہے۔ اس نامقوقل آدمی نے مجھے خواہ غصہ دلا کر ایسی بات میری زبان سے
نکلوادی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور پھر یہ تو تمہارے لئے بھی بھی کہہ رہا تھا۔“
”تم دونوں کے سامنے ہی عمران کو قتل کروں گا۔ مطمئن رہو۔ تم دونوں پچی ہو اور اس کے
خون کی پیاسی بھی۔“ چینی نے تلخ لبجھ میں کہا۔
اس کے بعد وہ دون کی طرف بڑھا۔ ریٹا دیکھ رہی تھی کہ اس نے جشید کیانی ہی کے نمبر
ڈائل کئے ہیں۔



جشید کیانی فون کار سیور کریڈل پر رکھ کر روہاں سے پیشانی کا پیښہ خلک کرنے لگا۔ سامنے
پیشے ہوئے دونوں آدمی اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

”کیا بات ہے جناب....!“ ان میں سے ایک نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
”اُم غلطیوں پر غلطیاں کر رہے ہیں۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”ریٹا اور جوزف والی ایکیمن مناسب نہیں تھی۔“

”آپ یقین کیجئے۔ ہم شروع سے اخیر تک دیکھتے رہے تھے ان کا تعاقب نہیں کیا گیا۔“
”ٹھیک ہے۔ لیکن ہم اسے بھول گئے تھے کہ وہ خود پولیس کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ کچھ

بیباکوں کی تلاش

تعجب نہیں کہ اس بار بھی پولیس ہی کے لئے کام کر رہا ہو ایسی صورت میں پولیس کا چکر چلا کر
اُسے قابو میں کرنے کی کوشش حاصلت ہی تھی۔“

”پھر بتائیے ہم کیا کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ہم سے کہا گیا تھا ہم نے اس میں کوتاہی نہیں کی۔“

”نہیں... غلطی میری ہی تھی۔ اب خیال یہ ہے کہ ریٹا ان لوگوں سے مل گئی ہے؟“

”خشم کر دیں اُسے۔“

”نہیں.... وہ صدر صاحب کے پاس ہے۔“

”یہ صدر صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا جاتا۔ ہم تو آپ ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔“

”پروفیسر راشد کی موت کے بعد و قتی طور پر چارچوں مجھے ملا تھا۔“

”اب.... یہ کون ہے۔“

”اپنی حدود میں رہو۔“ جشید کیانی کو عنصہ آگیا۔

”اوہ.... مجھے افسوس ہے جتاب۔“

جشید کیانی تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا تھا پھلا تارہ۔ پھر عنصیلی آواز میں بولا۔ ”جو کوئی
بھی ہے مجھ سے بہتر ہے۔ جانتے ہو وہ کون تھا جسے ہم طاہر صدیقی کے بیگنے میں تلاش کرتے پھر
رہے تھے۔“

دونوں نے نئی میں سر ہلا دیا۔

”صدر کا خیال ہے کہ وہ عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”وہ یعنی.... اس کا ذرا ایمور....!“

”ہاں ذرا ایمور....!“

”لیکن ہم نے تو اسے اچھی طرح دیکھا تھا اور عمران کی تصویر بھی اچھی طرح دیکھ پکے ہیں۔
ہمیں تو دونوں میں بلکل سی مشابہت بھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔“

”میک اپ بھی ہو سکتا ہے۔“

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ تھوڑی دیر بعد ایک نے کہا۔ ”آخر وہ اس طرح طاہر صدیقی کے
بیگنے تک کیسے جا پہنچا۔“

”تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ پروفیسر راشد کے سارے کاغذات غائب ہو گئے تھے۔ اس
میں اسی عمران کا ہاتھ تھا اور طاہر صدیقی کے بیگنے کے سامنے والی عمارت ہمارے اہم ترین نہکاؤں
میں سے ہے۔ سہیں وہاں رہتا تھا۔ پروفیسر کے کاغذات نے اس عمارت کی نشاندہی کی ہو گی۔“

کھل مچھے اذیتیں دی تھیں۔ میری بیساکھیاں چھین لی تھیں اور مجھے زمین پر گھٹنے پر مجبور کیا تھا۔
 ”خدا کی پناہ.... امیں اس کے مغلق کچھ بھی نہیں جانتا۔“ جشید کیانی بولا اور ان دونوں کی
 طرف جواب طلب نظرؤں سے دیکھنے لگا۔
 ”ہم بھی کچھ نہیں جانتے یقین کبھے.... ہم اتنا ہی کرتے ہیں جتنے کیلئے ہم سے کہا جاتا ہے۔“
 ”ہوں.... لیکن انہوں نے اپ سے کیا لکھوا یا تھا۔“ جشید کرٹل کی طرف مڑا۔
 کرٹل حیدر بھی کسی سوچ میں پر لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”امروں طاہر صدیقی
 کے نام ایک خط لکھوا یا تھا جو کچھ وہ بولتے گئے لکھتا رہا تھا۔ بے بن تھا۔“
 ”آخر کیا لکھوا یا تھا۔“
 ”یہ یہ لکھوا یا تھا کہ اگر خط ان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ نہیں کے لئے دونوں خاندانوں کے
 تعلقات بہتر نہ ہو سکیں گے۔“
 ”لیا آپ خط کا مضمون بتائیں گے۔“ کیانی نے پوچھا۔
 ”مجھے ہرید او بیانے کی کوشش نہ کرو۔ خط میرے حوالے کر دو۔ میں پہنچن ہزار روپیوں کو
 صبر کر لوں گا۔“
 ”میں آپ کو یقین دلوں.... ہمارا معاہدہ تھا کہ اگر آپ کا کام نہ ہو سکا تو ہم پائی پائی وابس
 کر دیں گے۔“
 ”اہذا کام نہیں ہو سکا اور تم پائی پائی بھی وابس نہیں کرنا چاہتے۔“ کرٹل حیدر نے تنگ بھجے
 میں کہا۔
 ”کرٹل حیدر براہ کرم ریو اور جیب میں رکھ لیجئے اور شریف آدمیوں کی طرح گفتگو کیجئے۔
 پہنچنے آپ کس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔“
 ”میں غلط فہمی کا شکار ہوا ہوں۔“ کرٹل حیدر نے چیخ کر پوچھا۔
 ”ہاں آپ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔“ کیانی بھی میز پر گھونسہ مار کر دہاز۔
 پھر کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا تھا۔
 آخر کرٹل حیدر نے اپری ہونٹ بھیچ کر پوچھا۔ ”میں کس طرح غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔“
 ”آپ کو یاد ہو گا ابھی کچھ ہی دن ہوئے ہمارا وہ آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا جو آپ کے
 سلسلے میں کام کر رہا تھا۔“
 ”اچھا تو پھر....؟“

وہ ابھی کچھ اور کہنے والا تھا کہ بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور کرٹل حیدر کمرے میں
 داخل ہوا۔ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہو تا تھا دہ تیوں کھڑے ہو گئے۔
 دہ ایک گوشے میں رکھی ہوئی کرسی کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا۔
 ”اوھ تشریف لائیے جتاب۔“ جشید کیانی نے کہا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ کرٹل حیدر غرایا اور بیساکھیوں سے ہاتھ نکال کر بیٹھ گیا۔ وہ تیوں بھی بیٹھ
 گئے تھے اور اسے تھیر آمیز سوالیہ نظرؤں سے دیکھ رہے تھے۔
 کرٹل حیدر نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر باہر نکلا تو اس میں اعشاریہ تین آٹھ کاربوں اور
 نظر آیا جس کا رخ انہیں تیوں کی طرف تھا۔
 ”اپنے ہاتھ اٹھا کر میز پر رکھ لو۔“ اس نے تھمانہ لجھ میں کہا۔
 انہوں نے مشینی طور پر اپنے ہاتھ میز پر رکھ لئے۔ لیکن اسے ایسی ہی نظرؤں سے دیکھ رہے
 تھے جیسے سمجھتے ہوں کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔
 ”لیکن.... یہ کیوں....!“ جشید کیانی نے احتیجا کہا۔
 ”یہ اس لئے کہ تم لوگ ابھی تک مجھ سے فرلا کرتے رہے ہو۔ پہنچن ہزار روپے مجھ سے
 دصول کر چکے ہو۔“
 ”ہم کام بھی تو کر رہے ہیں۔“
 ”اور اسی کام کے حلے میں تم تیوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“
 ”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں....!“ ایک آدمی غریبا۔
 ”شت اپ.... میں تم سے بات نہیں کر رہا۔“
 ”مجھے کچھ سمجھنے بھی دیکھ جتاب۔“ جشید نے کہا۔
 ”بچھلی رات.... وہ ڈرامہ کس لئے ہوا تھا۔“
 ”کون سا ڈرامہ!“
 ”تمہارے تین نقاب پوش۔“
 ”ہمارے تین نقاب پوش.... میں کچھ نہیں سمجھا۔“
 ”گولیاں ہی تمہیں سمجھائیں گی۔ میری ایک نائل مجاز جنگ پر ضائع ہوئی تھی سمجھے۔“
 ”آپ کچھ بتائیے تو کہی.... ہم بالکل لا علم ہیں۔“
 ”میں کہتا ہوں وہ خط مجھے واپس کر دو جو تمہارے آدمیوں نے بچھلی رات زبردستی مجھ سے لکھوا

جگہ پر جائیٹھا۔

”یہ... یہ... کیا... تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ کرٹل حیدر حلق بچاڑ کر دہاڑا۔

”آپ مطمین رہئے کرتل صاحب۔ ہم نے احتیاطاریو اور آپ سے لے لیا ہے۔ کیونکہ آپ اس وقت غصے میں ہیں۔“

کرتل حیدر بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”وہ اُس جبشی آدمی کا کیا معاملہ تھا۔ وہ کون تھا اور تم نے مجھے کس قسم کارول ادا کرنے کو کہا تھا۔“

”اسے بھول جائیے۔ ہم آپ کے لئے اتنا کچھ کرتے رہے ہیں اگر آپ نے بھی کسی معاملے میں ہماری تھوڑی سی مدد کر دی تو کیا ہوا۔“

”لیکن وہاں پولیس والوں کا بھی تو جکر تھا۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ اسے بھول جائیے۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہئے گا۔“

کرتل حیدر میساکھیاں لیکر کراختا ہوا بولا۔ ”میرا ریو اور واپس کرو۔ میں جا رہا ہوں۔“

کیانی نے ریو اور اپنے ساتھی کے ہاتھ سے لے کر اسے خالی کیا اور اٹھ کر کرتل حیدر کے پاس آیا۔

”آپ بہت غصے میں ہیں۔“ وہ اُس کی طرف ریو اور بڑھاتا ہوا بولا۔ ”میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ کوشش تو یہی ہو گی کہ خط اُس کے باپ تک نہ پہنچ سکے۔“

کرتل حیدر نے جھٹکے کے ساتھ ریو اور اُس کے ہاتھ سے لیا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ وہ اُس کی بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنتے رہے۔ چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔ کافی دیر تک وہ ایک دوسرے سے نہیں بولے۔



ساجدہ نے کراہ کر کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ دیر تک پلکش جھپکائے بغیر خلائیں گھورتی رہی پھر بڑی راتی ہوئی اٹھ پیٹھی۔ ”پھر وہی منہوس تھے خانہ...!“ پہلی رات وہ اسی تھہ خانے میں سوئی تھی۔ لیکن آنکھ کھلی تھی تو خود کو ایک ایسی عمارت میں پلایا تھا جہاں سے آسان بھی نظر آیا تھا۔ ریٹا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سنگ ہی دن پھر دونوں کو پچھیرتا اور ان کی گالیاں ستارہ بھاڑا۔

سر شام اُسے نیند آگئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ شام کی چائے میں بھی کوئی خواب آور چیز شامل رہی ہو۔

”یا خیال ہے آپ کا کہ وہ اُس لڑکی کے ہاتھوں مرا ہو گا۔“

”آہم...!“ کرتل حیدر کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ ”تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ اپنے کچھ مدد گار بھی رکھتی ہے۔“

”بالکل... میں بھی کہنا چاہتا ہوں۔“ کیانی نے طویل سافس لے کر کہا۔ ”اسی لئے میں خط کا مضمون بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

کرتل حیدر پھر خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر ایسے ہی تاثر تھے جیسے خود کو مطمین نہ ہونے دینا چاہتا ہو۔ بالآخر کچھ دیر بعد اُس نے بتایا کہ خط اُس کے ماموں یعنی لڑکی کے باپ کے نام لکھوایا گیا تھا۔ الفاظ سخت اور توہین آمیز تھے یعنی اُس کی لڑکی خود کو کیا بھجتی ہے۔ اُس جسمی دس لڑکیاں وہ خرید سکتا ہے اور اگر وہ چاہتے تو پہلے بھر میں اُس کی ڈپنی گلشنری بھی خاک میں مل سکتی ہے۔ وہ جیل جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اخیر میں لکھوایا گیا تھا کہ وہ خود ہی ایسی خود سر اور مغروہ لڑکی سے شادی کرنا پسند نہیں کرے گا۔

”بہت بُرا ہوا۔“ جمشید کیانی ٹھنڈی سافس لے کر بولا۔ ”اگر خط اُس کے باپ کو مل گیا تو ہماری ساری محنت بر باد ہو جائے گی۔“

”تمہاری کیسی محنت...!“ کرتل حیدر نے پوچھا۔

”ہم لڑکی کو اسی معاملے میں بیک میل کر کے رہا پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔“

کرتل حیدر کاریو اور والا ہاتھ خود بخود جھکلتا چلا گیا اب وہ سمجھی خاموش تھے۔

کچھ دیر بعد کرتل حیدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو اُس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔“

”ہاں جانتا ہوں لیکن عرصہ سے ان کے ہاتھوں نگ لگ بھی ہیں ہم لوگ۔“

”پچھ کرو... کہ وہ خط ناموں تک نہ پہنچ سکے۔ میں اُس کے لئے تمہیں مزید دس ہزار دلوں گا۔“

”اب میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ کوئی جسمی وعدہ کر سکوں۔“

”تو پھر میرے پیچنے ہزار...!“

”آپ نے خود ہی تحریر دے کر کھیل بگاڑ دیا ہے۔ بھلا ہم پر اس کی ذمہ داری کیسے عائد ہو سکتی ہے۔“

اگری وہ بات ختم بھی نہیں کر پلایا تھا کہ اُس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کرتل حیدر پر چھلانگ لگائی اور ریو اور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دوسرے نے بھیت کر ریو اور اٹھایا اور پھر اپنی

لڑاکوں کے سے انداز میں جلوے کئے بجھ میں کہا۔ میں صرف ناک پر انگلی بھی رکھ لینے کی کسر رہ گئی تھی۔

”ارے نہیں... لڑو نہیں تم لوگ۔“ سنگ ہی بھس کر بیوال۔ ”ضروری نہیں کہ سرنے سے پہلے یہ بیچارہ گالیاں بھی کھائے۔ ویسے تم دونوں ہی کی گفتگو سے عمارت کی بو آرہی ہے۔ سنو یقین جی میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس لڑکی کو اس لئے اس تہہ خانے کے اوپر والی عمارت میں بلوایا تھا کہ اسے تمہارے لئے چوبے دان بناؤ۔ تم نے اس مصلحت سے اس پر خود فائز کیا کرایا تھا کہ یہ ہم لوگوں کے ہاتھ لے گے اور ہم پوری طرح مطعن ہو جائیں کہ یہ تم سے بدول ہو چکی ہے۔ پھر یہ تم سے بھی مٹھی رہے اور ہم سے بھی۔ اس طرح تم مجھے جاں میں پھانسی کی کوشش کرو۔ اب بتاؤ کیسی روی۔ یہ اس عمارت میں تمہارہ گئی تھی۔ تمہارے آدمی عمارت کی کڑی غرمان کرتے رہے تھے۔ انہوں نے صرف اس آدمی کو عمارت سے نکلتے دیکھا جو ساجدہ کو بیباں لایا تھا۔ ساجدہ کہاں ٹاکر ہو گئی یہ کسی کو معلوم نہ ہوا۔ پھر تمہارے آدمی عمارت میں گھسے بھی۔ لیکن ساجدہ دہاں کہاں ٹھی وہ بیباں اس زمین دوز عمارت میں نکلنے ہو چکی تھی۔ وہ اُسے اوپر ہی تلاش کر کے چلے گئے اور تمہیں اطلاع دی۔ دی ہو گئی کہ اسے یا تو زمین نگل گئی یا وہ فھماں تخلیل ہو گئی۔ تم نے تہہ خانوں کی موجودگی کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دیا ہو گا۔ کیوں ہے ؟ اسی پاست۔“

عمران نے سوادت مندانہ انداز میں سر کو جبکش دی۔

”لبند اپنی گھنڈی کے نیچے میں بیباں نظر آ رہے ہو۔ پہلے تمہارے آدمی آکر بیباں تہہ خانے تلاش کرتے رہے تھے پھر تم بھی آدمیکے دراصل تمہارا ہی انتظار تھا مجھے۔ نہ جانے کتنی رات تیس جاگ کر گزاری ہیں۔ تمہارے انتظار میں کیجھ۔“

”میری یہ بچا جان...!“ عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔

سنگ ہی معکھ میں اڑانے والے انداز میں کھڑا رہا۔ میں تمہارا منتظر تھا۔ تم آئے اور میں نے اس چوبے دان کے میکرزم کو حركت دی اور تم خیک اُسی جگہ آپنے جہاں میکرزم کا سلسلہ مٹا تھا تم اسی نیچے پر پچھے جس پر میں تمہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن اسی جگہ تم نے تہہ خانے کا راستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اچاک اور سے تم پر یہ پیغمبرہ گرا اور تم اسی حقیقت سیت پیچے چلے آئے۔“

”غالباً تم نے بہت جلدی میں یہ میکرزم ترتیب دیا تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”ہے نا مجھو...!“

اور اب پھر وہی تہہ خانہ... اس نے گھری دیکھی بارہ نج رہے تھے۔ رات ہی کے بارہ بجے ہوں گے۔ اس نے سوچا یہ کم بخت چیزیں پیچھے حرام زادہ معلوم ہوتا ہے۔ کس طرح شش میں اتنا اخخار ٹاکہ کو... اب وہ اس کے ساتھ ہی ہو آتی ہے... درندگی پر نہیں آمدہ ہوتا۔

پھر وہ اپنے نامعلوم انجام کے متعلق سوچنے لگی۔ خیالات میں اس طرح ڈوب گئی کر گرد پیش کی خبر ہی نہ رہی۔

پھر وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جسے سن کر اچھل پڑی تھی۔ تفہم... تیز قسم کا قہرہ... دروازے کی طرف مڑی۔

سنگ ہی کھڑا بے تحاشہ نہ رہا تھا۔ وہ عصیلی نظر وہ سے اُسے دیکھتی رہی۔ مردود نے نری طرح ڈرایا تھا۔ صورت حرام کہیں کا۔

”پھنس گیا...!“ وہ باتھ اٹھا کر بدستور پشتا ہوا بولا۔ ”بالآخر چہا پھنس گیا۔“

”کون پھنس گیا...?“

”وہی عمران...!“ جس کے لئے تم اپنی جان ہمقیل پر لئے پھرتی تھی۔ اب میں تمہارے ہی سامنے مارڈاں گا تاکہ تم سکون ہی سے میری ہو سکو۔ پہلے طرح دیتا تھا بنا مکن ہے۔“

”کہاں ہے... کیسے پھنسا...!“

”آؤ دکھاؤں...!“ میں اب اس دروس کو ختم ہی کر دیتا چاہتا ہوں۔“

وہ واپسی کے لئے مڑا۔ ساجدہ بھی اس کے پیچھے چل پڑی... آخر کار وہ لفت کی شکل کے ایک بہت بڑے پیغمبرے کے پاس آپنے۔

پیغمبر کے اندر عمران کھڑا احتمانہ انداز میں پلکیں جپکارا تھا۔

بیک بیک ساجدہ نہ پڑی اور سنگ ہی نے اسے جیرت سے دیکھتے ہوئے پلکیں جپکا کیں۔

”اب بتاؤ۔“ ساجدہ عمران کو گھونسہ دکھاتی ہوئی بولی۔ ”گن گن کر بدالے لوں گی۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ انداز سے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے پھوپھیں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وفتا ساجدہ نے غصیلے بچھ میں کہا۔ ”تم نے اس دن مجھے پیک گارڈن میں بلوایا تھا ملنے کے لئے اور پھر وہیں مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی۔ کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بکارا تھا۔ کیا تمہارے ہی لئے اپنی زندگی نہیں برباد کر لی تھی۔“

” غالباً میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے لئے اپنی زندگی برباد کر لو۔“ عمران نے بھی کسی

جاپڑا... چت گرا تھا اور اب اُس کے ہاتھ پر اس طرح ایٹھ رہے تھے جیسے جائکی میں بتلا ہو۔
”اوہ....!“ سُنگ جنگلے کی طرف جھپٹا.... پھر پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے بعد ساجدہ نے اُسے سوچ بورڈ کی طرف دوڑتے دیکھا۔ خود ساجدہ نبڑی طرح یوکھلا گئی تھی۔ لیکن کہاں کیا سکتی تھی اُسے تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اب خود اس کا بھی ہارت فیل ہو جائے گا۔

سُنگ نے سوچ بورڈ پر جلدی کئی سوچ آف کئے اور پھر جنگلے کی طرف دوڑ آیا۔ پہلے اُسے انگلی سے چھو اور اُس کے بعد ایک جگہ کی سلانگ ہلانے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگلے کے سامنے کا پورا حصہ ایک طرف کھمک گیا۔

”چلو.... ادھر آؤ....!“ سُنگ نے ساجدہ کو پکارا۔ ”اے الکٹرک شاک لگا ہے۔ میری مدد کرو.... اے باہر نکالو۔“

دونوں نے بدقت تمام اُسے جنگلے سے باہر نکالا۔ اُس کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔ لیکن سانس چل رہی تھی۔

”ابھی اسے بچالا جا سکتا ہے.... لکڑی کے تنخٹے نے جان بچا۔“ سُنگ بولا۔
”الکٹرک کے کام میں کوئی فائی رہ گئی تھی۔ کرنٹ پورے جنگلے میں دوڑ گیا تھا۔“
”مل.... لیکن تم اُسے بچانا کیوں چاہتے ہو۔“ ساجدہ نے روہاںی آواز میں پوچھا۔
”میرے بہت ہی اہم کاغذات میں اس کے قبضے میں۔ میں اسے فوری طور پر مارڈائے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔“

”مم.... میرا خیال ہے کہ اسکی زندگی خطرے میں ہے۔“ ساجدہ کا پتی ہوئی آواز میں بولی۔
سُنگ عمران پر جھک کر اُس کے ہاتھوں کو جنبش دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفعہ عمران کے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں سے پھسل کر گردن کے گرد چھٹ گئے پھر اُس نے قلا بازی کھائی اور سُنگ ہی پر سوار ہو گیا۔

”اوہ.... اوہو.... اوہو....!“ ساجدہ اپنی جگہ پر اس طرح +چھل رہی تھی جیسے اس حرکت میں کسی مشین عمل کوڈ غل ہو۔

عمران اور سُنگ ایک دوسرے سے گتے کر رہے گئے تھے۔

ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک ایک جانب سے آواز آئی۔ ”ڈار لگ.... ڈار لگ.... ڈار لگ....“ تم کہاں ہو؟“

آواز ریٹاکی تھی۔ ساجدہ چوک کر مردی۔ اُس نے دیکھا کہ ریٹاٹ کھڑا تی ہوئی اُسی طرف چلی

”بالکل چاچا... لیکن دیکھو تو آخر سمجھنے بھی تمہیں ڈھونڈھا ہی نکالا۔“

”صرف اسی عمارت کی حد تک... میرا خیال ہے کہ یہاں تک تمہاری راہنمائی راشد کے کاغذات نے کی ہو گئی اور انہیں کاغذات ہی سے تمہیں اس کا بھی اندازہ ہوا ہو گا کہ تنظیم کے دو بڑے مرکز میں سے ایک عادل آباد بھی ہے اور تم نے پہلے یہیں قسم آزمائی مناسب سمجھی۔“

”تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے مجھے یقین ہی نہیں تھا کہ تم سے یہاں ملاقات ہو گی۔“ عمران نے کہا۔

سُنگ ہی نہ کہ بولے۔ ”تم لوگوں کی جرکتوں کی بناء پر میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تم انہیں میں تیر چلا رہے ہو۔“

”مثال کے طور پر ایک آدھ حركت کا تذکرہ بھی کرتے چلو۔“

”تمہارے ساتھی ایسی حرکتیں کر رہے تھے جو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیں۔ مثال کے طور پر جوزف کی حرکتیں۔ اس بات کا اعتراف ضرور کروں گا کہ تمہارے ساتھی بہت منظم ہیں۔ بڑی اچھی ٹریننگ ذی ہے تم نے۔“

”ٹکریاں بالکل....!“ عمران نے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

”بہر حال اس چکر میں تھے تم کہ اگر میں یہیں نہیں تو تم لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور پھر تم مجھے گھیر سکو۔“

”بالکل یہی بات تھی بالکل ذیست....!“

”ریٹا اور جوزف والی حادثہ دوسروں سے سرزد ہوئی تھی میں کچے کام نہیں کرتا سمجھنے۔“

”یہ آخر تم نے کتنی ریٹا میں پال رکھی ہیں.... وہ بھی تو ریٹا ہی تھی جو مجھے مادام نشی کا دو اے کیس میں چاقی پھری تھی.... ریٹا کس نام تھا شاید.... یہ ریٹا جبراںیل ہے۔“

”اور تم لوگوں کی ہمدرد بھی۔“

”نہیں....!“ عمران خوشی کے مارے اچھل پڑا۔

سُنگ کا مودو یکخت تبدیل ہو گیا۔ آنکھوں سے شدید ترین نفرت ظاہر ہونے لگی اور اُس نے عجیب سی آواز میں پوچھا۔ ”تم نے جو کاغذات راشد کے یہاں سے اڑائے تھے وہ کہاں ہیں۔“

”دیکھو چاچا.... اب میں سمجھوتا کرنا چاہتا ہوں۔“ عمران نے آہستہ سے کہا۔

”سمجھوتا... کیسا سمجھوتا۔“

”عمران مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا اور جنگل کی سلاخیں پکڑی ہی تھیں کہ اچھل کر پیچھے

ساجدہ بڑی متناسن سے چلتی ہوئی عمران کے قریب آئی اور شانے سے شانہ ملا کر کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ پتوں کی دائیں جانب والی جیب سے نکرا لیا تھا اور ساجدہ نے محسوس کیا تھا کہ اُس کی جیب میں ریو اور موجود ہے۔

”تم بھی اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔“ سنگ نے اُسے لکار اور وہ ھلکھلا کر پہن پڑی اور اپنا دہنہ ہاتھ اور اٹھاتے ہوئے بیان عمران کی پتوں کی جیب میں ڈال دیا اور جیب ہی سے فائز کرنے کی کوشش کی۔ فائز ہوا بھی.... لیکن ساتھ ہی سنگ کا چاقو بھی اڑتا ہوا عمران کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو گیا تھا۔ ساجدہ نے اُس کی کراہ سنی۔ جیب سے ہونے والا فائز شانے پر غمیں بیٹھا تھا۔ دوسری ہی لمحے میں سنگ ہی نے ان دونوں پر چھلانگ لگائی۔ پھر ساجدہ کو تو اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ عمران کی جیب سے ریو اور ہی نکال لیتی۔ سنگ نے ان دونوں کو فرش پر گردایا تھا۔

”اوہ.... نشانہ خطا ہو گیا۔“ سنگ بڑا رہا تھا۔ ”بازد میں لگا ہے چاقو۔... اب میں اسے تمہارے سینے میں اٹا رہوں گا۔“

اتفاقاً اُس کے دونوں ہاتھ ساجدہ کی گرفت میں آگئے اور عمران کو اس سے پہلے ہی اُس کے نیچے سے نکل جانے کا موقع مل گیا کہ وہ بازو میں پیوست چاقو کو کھینچ کر اُس کے سینے میں پوست کر دیتا۔ اُس نے بازو سے چاقو کھینچا اور سنگ پر ٹوٹ پڑا۔

سنگ کو شاید پکوئیں کا احساس ہو گیا تھا اُس نے عمران کی مٹھی میں دبا ہوا چاقو فرش پر پڑا۔ وہ اس سے پہلے چھلانگ لگا کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ ساجدہ بال بال پچی۔ عمران کا ہاتھ اگر ایک باشت ہٹ کر بھی پڑا ہوتا تو اس وقت وہاں ساجدہ کی لاش نظر آتی۔

”غفتا ساجدہ چھینی۔“ دیکھو.... وہ بھاگ رہا ہے۔ اگر نکل گیا تو یہ تہہ خانہ ہمارا مقبرہ بن جائیگا۔“ سنگ واقعی ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ قبل اس کے عمران اُس نکل پہنچتا اُس نے اس کرے کا دروازہ جس میں ساجدہ نے ریٹا کیوند کیا تھا کی قدر اٹھایا اور تیزی سے اندر ریک گیا۔ قریب پہنچتے دروازے کا نچلا حصہ پھر فرش سے آگا۔

عمران اُسے دوبارہ اٹھانے کے لئے زور لگانے لگا لیکن اُس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ ادھر سے مایوس ہو کر وہ سوچ یورڈ کی طرف دوڑا۔ ”میا کر رہے ہو....!“ ساجدہ چھینی۔

”خاموش رہو۔ تم نے جیب سے فائز کے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ کیا میں خود فائز نہیں کر سکتا تھا۔“ ساجدہ کچھ نہ بولی۔ عمران سلاخوں دار جنگلے والی لفٹ کی طرف دیکھتا ہوا مختلف سوچوں کو

آرہی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں شیکھن کی بوقت تھی۔ چال کی لاکھڑاہٹ بتارہی تھی کہ وہ بہت زیادہ نہ نہیں میں ہے۔

ساجدہ نے قریب آکر رک گئی اور آگے پیچھے جھولتی ہوئی بولی۔ ”یہ.... کیا آہوراہیاے۔“ ساجدہ کچھ نہ بولی۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک درسرے پر مختلف قسم کے داؤں کو آزمائے تھے۔ ریٹا اس طرح آنکھیں چھاڑ رہی تھی جیسے انہیں پچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ ان کی طرف بڑھنے لگی۔ ساجدہ نے بازو پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ لیا اور وہ گرتے گرتے پیچی۔

”چھوڑ دو.... چھوڑ دو....!“ ریٹا ہٹلی پچاڑ کر دہڑا۔ لیکن ساجدہ اُسے دھکیلتی ہوئی چل گئی۔ اُس دروازے تک آئی جس سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ اندر دھکیل کر دروازہ نیچے کھینچ دیا۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس فولادی دروازے کو وہ نہیں کیا جاتا۔ اس سے مطمئن ہو کر وہ پھر ان دونوں کی طرف پلٹ آئی۔ عمران سنگ ہی سے گھما ہوا کہہ رہا تھا۔

”آن رات ہم دونوں میں سے ایک کو ضرور مرنا ہے۔“

”میں بھی بھی سوچ رہا ہوں۔“ سنگ ہی نے کہا اور ساجدہ اُس کی آواز سن کر چونکہ پڑی۔ وہ کسی ایسے آدمی کی آواز قطعی نہیں معلوم ہوتی تھی جو کسی کے خلاف جسمانی قوت صرف کر رہا ہو۔

”بھر حال یہ دن کی سارہاں نکل ڈیتے۔ میں نے بے وجہ نہیں پوچھا کہ یہ میکڑم نیا ہے یا پرانا!“ سنگ کچھ نہ بولا۔ ساجدہ دیکھ رہی تھی کہ وہ بار بار گرمان کی گردن پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر یہ دبلا پٹلا جنم گوشت دپوست سے مرکب ہے یا کوئی فولادی ڈھانچہ ہے۔ جس کی حرکت کسی مشینی نظام کی مدد ہوں ملت ہے۔

وہ ذر رہی تھی کہ کہیں اس کا کوئی مددگار نہ آجائے۔ دیکھنے کے بعد خانوں میں ابھی تک اُس کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

یک بیک سنگ ہی عمران کی گرفت سے نکل گیا۔ پھر قتل اُس کے کہ عمران اُس پر جھپٹتا اُس نے پتوں کی جیب سے چاقو نکال کر کھول بھی لیا۔

”ہاتھ اور اٹھاؤ.... اگر تمہارا ہاتھ جیب کی طرف گیا تو کچھ نکال لینے سے پہلے ہی چاقو تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔“ سنگ ہی نے تیز لمحے میں کہا۔

عمران نے دونوں ہاتھ اور اٹھاؤ میں سے اور سنگ ہی چاقو کو اسی طرح پکڑے رہا جیسے پھیک مارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر اُس نے ساجدہ سے کہا۔ ”تم بھی اُسی کے پاس کھڑی ہو جاؤ۔“

آف اور آن کر تارہ۔

دفتار ساجدہ کو کچھ یاد آیا اور وہ چیخی۔ ”مہرہ... مہرہ جاؤ...!“

ٹھیک! اسی وقت ایسا محسوس ہوا جیسے زمین مل کر رہ گئی ہو۔ عجیب طرح کی آوازیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔

”یہاں ڈائیمیٹ لگے ہوئے ہیں۔“ ساجدہ اسی شور میں چیڑھی تھی۔ ”اس نے مجھے بتایا تھا۔“ دفتار چھت کا کچھ حصہ ٹوٹ کر چھپا اور دوڑتا ہوا ایک دیوار سے آگا۔

عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور دوڑتا ہوا ایک دیوار سے آگا۔

”لیٹو... لیٹ جاؤ... دیوار سے لگ کر۔“ اس نے اپے دھکلتے ہوئے کہا۔

دونوں دیوار کی جڑ سے لگ کر اونڈھے لیٹ گئے۔

ساجدہ پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔ جلد ہی اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

پھر اسے ہپتال ہی میں پوری طرح ہوش آیا تھا۔ وقت کا احساس تھا اور نہ تن بدن کا ہوش۔ وہ بھی ان حادثہ کی ذرا روانے خواب کی طرح کچھ کچھ یاد آ رہا تھا۔

پھر کچھ دونوں بعد عمران نے اسے بتایا کہ ایک فولادی دروازہ اس طرح آگر دیوار سے لک گیا تھا کہ وہ دونوں کے درمیان خلا میں آگئے تھے ورنہ بلے میں دب کر خود بھی فنا ہو جاتے۔ جب وہ ہنگامہ ختم ہوا تھا تو عمران نے دروازے کی اوٹ سے نکلنے کی کوشش کی تھی اور پھر اس نے خود کو ایک گہرے کنوں میں محسوس کیا تھا۔ اور کھلا آسمان بھی نظر آیا تھا۔

پوری عمارت تباہ ہو گئی تھی اور جیچ چیخ کر تھک جانے کے بعد وہ فائر بریگید کے عملے کو اپنی طرف متوجہ کر کا تھا۔ سنگ کے متعلق یعنی کے ساتھ کہنا و شوار تھا کہ وہ بیچ کر نکل گیا یا نکلنے سے پہلے ہی اسے بھی اس تباہی کا شکار ہو جانا پڑا تھا اور یہ تباہی نادانستہ طور پر عمران خود لایا تھا۔ سوچ بورڈ پر اسے اس سوچ کی ملاش تھی جس کا تعلق لفٹ سے تھا۔ نادانستگی میں وہ سوچ آن ہو گیا جو عمارت میں لگے ہوئے ڈائیمیٹ سے مسلک تھا۔

بہر حال اس حادثے کے بعد اعلیٰ پیانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں۔ پولیس والوں کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ وزارت خارجہ کے احکامات کے تحت گرفتار کئے جانیوالوں کی ایک طویل فہرست انکے پاس ضرور تھی لیکن نہیں معلوم تھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔ ان گرفتار ہونے والوں میں جمیشید کیانی بھی تھا۔ لیکن اسے حوالات میں رکھنے کی بجائے کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا تھا۔



تباه ہونے والی عمارت وہی تھی جس کے بارے میں اختر نے بتایا تھا کہ اس کا تعلق اس بیک میلر سے تھا اور سیل وہیں رہتا تھا۔ اس دھماکے سے آس پاس کی عمارتوں کو بھی کسی قدر نقصان پہنچا تھا خود صیبح کے پنکھے کی ایک دیوار اشیت ہو گئی تھی۔ لیکن دوسری عمارتوں میں جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ حادثے سے دونوں پہلے یہک اس کے باپ نے گھر میں اعلان کر دیا تھا کہ کرمل حیدر سخت نالائق آدمی ہے۔ اگر کبھی ملاقات کی غرض سے بھی گھر آئے تو نکروں کو چاہئے کہ اسے اٹھا کر باہر مڑک پر چھیک دیں۔ پھر اسی رات کو وہ مالی کی کوٹھری میں اس تو قع پر گئی تھی کہ شاید اختر سے ملاقات ہو جائے لیکن دہاں اسے اس کا خط ملا تھا جس میں اس نے اسے بتایا تھا کہ اب وہ مطمئن رہے کہ مل حیدر ساری زندگی اس کا نام بھی شے لے سکے گا اور اس بیک میلر کا انجام بھی قریب ہی ہے۔

پھر عمارت کی تباہی کے بعد اسے اطلاع ملی تھی کہ بلے کے ڈھیر سے دوزندہ افراد برآمد ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ لیکن ان کے بارے میں تفصیل نہ معلوم ہو سکی۔ رات کو کئی پار مالی کی کوٹھری کے چکر لگاتی لیکن تاریکی اور سکوت کے علاوہ وہاں اور کیا رکھا تھا۔ راتوں کی نیزد حرام ہو گئی عمارت والے حادثے کی بناء پر سارے شہر میں سُنْتی پھیل گئی۔ لیکن کسی کو بھی اس کے بارے میں حقائق نہ معلوم ہو سکے۔

آج شام صیبح بہت اداں تھی۔ گھر میں جی نہیں لگ کر رہا تھا۔ اس نے سوچا پیک گارڈن ہی تک ہو آئے۔ اس دوران ایک نیا ڈرائیور بھی آگیا تھا اور خود ڈرائیور کرنے کے سلسلے میں باپ کی فٹگی کا بھی خدشہ نہیں تھا۔

گارڈن کے پار گلگ کے حصے میں پہنچ کر اس نے ایک ایسے آدمی کو ایک بھی سی گاڑی سے اترتے دیکھا کہ باچپیں کھل گئیں۔ یہ اختر تھا سو فصدی اختر۔ لیکن وہ کون تھا۔ وہ یہم شیخ جسی جو نہایت ادب سے اس کے لئے دروازہ کھولے کھڑا تھا اور اس نے دونوں پہلوؤں سے دو رویاں بھی تو لٹکا رکھتے تھے۔

اور.... اور.... یہ عورت کون ہے؟

جیسے ہی اس کے ڈرائیور نے کار پارک کی وہ جھپٹ کر نیچے اٹ آئی۔ اور بے خیال میں تقریباً دوڑتی ہوئی ان لوگوں کی طرف جل پڑی۔

”اختر... اختر...!“ قریب پہنچنے سے قبل ہی بے اختیارانہ طور پر اس نے اسے آوازیں

دیں لیکن اس نے مڑ کر دیکھا نک نہیں۔

اس حرکت پر وہ جھینجھلا گئی اور تیزی سے دو قدم آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا۔
”تم سنتے کیوں نہیں۔“

”جی....!“ اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔
”اوچا سننے لگے ہو....!“

”معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ نہایت خشک لبجھے میں کہا گیا۔
”وہ سمجھی شاید حسب عادت اُسے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ اسلئے اسکے ساتھیوں کی پروادا کے بغیر
مضحكہ اڑانے والے انداز میں بولی۔“ اختر صاحب جیل چلے جائیے گا۔ بہت اودھم مچالیا ہے آپ
نے۔“

”آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ....!“ پہلے سے بھی زیادہ خشک لبجھے میں جواب ملا۔
”میرا نام اختر نہیں.... علی عمران ہے۔“

اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے ساتھی بھی چل پڑے تھے۔ لیکن عورت مژ مژ کرائے
دیکھے جا رہی تھی۔

وہ دو بیس کھڑی کھیاہٹ میں طرح طرح کے منہ بناتی رہی۔ پھر یک بیک اپنی گاڑی کی طرف
مڑی۔ دوڑتی ہوئی گاڑی تک آئی اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر گر گئی۔

”گھر چلو....!“ اس نے بھرا آئی ہوئی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔

”جی بی بی.... جی.... جی.... گھر چلوں....!“ ڈرائیور کے لبجھے میں حیرت تھی۔
”ہاں.... گھر....!“ وہ جیخ کر بولی۔ ”کیا تم نے سنا نہیں۔“

گاڑی چل پڑی.... صبح کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ غصہ کے مارے ہانپ رہی
تھی.... پھر یک بیک اُس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔
شقق کی سرخی پر آہستہ آہستہ سیاہی غالب آئی جا رہی تھی۔

﴿ ختم شد ﴾